دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

جلد: ۱۰۸ | جمادی الثانی - رجب المرجب ۱۴۴۵ھ مطابق جنوری ۲۰۲۴ء | شمارہ: ۱

نگراں

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری
استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
https://darululoom-deoband.com/urdumagazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
Vol. No. 108, Issue No. 1, January 2024 जनवरी 2024
Published by Maulana Abul-Qasim Numani
Printed by Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
On Behalf of Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 30/= | Annual Subscription Rs. 300/=

Annual by Regd Post. Rs. 540/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۵۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۸۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۸۰۰ روپے

فہرست مضامین

حرف آغاز	اصل چیلنج ایمان کا تحفظ	محمد سلمان بجنوری	۳
اکابر دیوبند	علامہ کشمیریؒ، شرح حدیث منہج وخصوصیات	مولانا محمد اجمل قاسمی	۵
رہنمائی	شب برأت — فضائل واحکام	مفتی توقیر عالم قاسمی	۲۰
درس عبرت	یہودیوں کی شرارت اور عذاب الٰہی	مفتی امداد الحق بختیار قاسمی	۳۲
حاصل مطالعہ	''تذکرۃ الرشید'' کا علمی وادبی مطالعہ	ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی	۳۸
نئی کتابیں		ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی	۵۲

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/540 روانہ فرمائیں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

اصل چیلنج ایمان کا تحفظ

محمد سلمان بجنوری

پوری دنیا میں اس وقت جو حالات چل رہے ہیں وہ بعض پہلوؤں سے غیر معمولی ہیں، اگرچہ فتنہ وفساد اور ناانصافی، ہماری اس دنیا میں معمول کی چیز ہے جس کی باگ ڈور یقینی طور پر، اُن طاقتوں کے ہاتھ میں ہے جن کا مشن ہی فساد فی الارض ہے اور باقی لوگ اُن کے ہم نوا یا دست نگر یا اُن کے سامنے مجبور ہیں؛ لیکن روس یوکرین جنگ نے جس طرح اندرونی طور پر عالمی سیاست کو متاثر کیا ہے اور اس کے بعد غزہ اسرائیل جنگ سے جو حقائق کھل کر سامنے آئے ہیں یا جن حالات کے نتیجہ میں یہ جنگ رونما ہوئی ہے وہ سب غیر معمولی ہیں۔

اِدھر ہمارے وطن عزیز میں جو صورت حال ہے وہ بھی بلاشبہ معمول سے مختلف ہے اور ہم میں سے اکثر سادہ لوح لوگوں کے نزدیک حیرت ناک بھی، اگرچہ ماضی اور حال کا صحیح تجزیہ کرنے والوں کے لیے یہ قطعاً غیر متوقع نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ تجزیہ کی تفصیلات، ان حالات کے بنیادی عوامل اور ذمہ داری کی تعیین میں دورائے ہوسکتی ہیں؛ لیکن حالات بہرحال ایک تسلسل کا حصہ ہیں اُن میں کوئی اچانک موڑ نہیں آیا ہے۔

ان حالات کا یا ہمارے لیے اُن کے سنگین وخطرناک پہلو، کا واضح مظہر یا نقطۂ عروج یہ ہے کہ ہمارے ملک کی اکثریت نے ظاہری طور پر عدالتی عمل کی رسمی کارروائی پوری کرکے ایک حقیقی مسجد کو مندر بنانے میں کامیابی حاصل کرلی ہے، عدالتی فیصلہ کی حد تک مسلمانوں نے بادل ناخواستہ ہی، مخالفت سے گریز کیا اور حالات کے تقاضے کے مطابق یہ کڑوا گھونٹ پی لیا اور پورے طور پر ملک کے امن وامان کو برقرار رکھنے میں اپنا کردار ادا کیا؛ لیکن اس پورے معاملے کا اصل چیلنج، اب سامنے آنے والا ہے اور اس کے حقیقی مضمرات کو سمجھ کر اپنا طرز عمل درست رکھنا، اس وقت کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اس وقت حکمرانی کرنے والا (آرایس ایس) نظریہ ہو، یا عالمی سطح پر کام کرنے والی وہ طاقتیں جو بلاواسطہ یا بالواسطہ حکمراں ہیں، اُن سب کا اصل نشانہ اسلام ہے یا مسلمانوں کی اپنے دین وایمان سے وابستگی ہے، اسی مقصد کو سامنے رکھ کر، ان طاقتوں کے اصل اہداف کو سمجھنا ممکن ہے، اس پہلو سے دیکھا جائے تو ہمارے ملک میں مسلمانوں کو اُن کے دین سے دور کرنے اور کفر وشرک سے مانوس کرنے کے لیے منظّم کوششیں عرصہ سے جاری ہیں اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ لوگ اپنے اس مشن کا خاصا حصہ حاصل کرچکے ہیں یا اپنے اس سفر میں بہت آگے جاچکے ہیں، وطن سے وفاداری کو شرکیہ علامتوں کے ساتھ جوڑنا، اُن کا بڑا ہتھیار ہے، اب رام مندر کے لیے جذباتی احترام پیدا کرنے کی کوشش اور اس کو پورے ملک کے وقار کی علامت قرار دے کر، سارے اہل وطن سے اسی طرز عمل کا مطالبہ اور اس کے خلاف سوچنے کو بھی جرم قرار دینے کا سلسلہ شروع ہونے جارہا ہے۔

اس سلسلے میں پہلے سے جو عوامل کام کررہے ہیں، خاص طور سے تعلیمی پالیسی اور مختلف قوانین میں ترمیم اور نئے قوانین کی تشکیل وغیرہ اُن کی تفصیلات کو سمجھنا ایک مستقل موضوع ہے؛ لیکن فوری طور پر، جو سب سے بڑا چیلنج ہے وہ اپنے دین پر مکمل اعتماد، اپنے ایمان کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ محفوظ رکھنا اور کفر وشرک کی علامتوں کے ساتھ ادنیٰ وفاداری سے بھی مکمل پرہیز کرنا ہے۔ تشویش کی بات یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد، عقیدہ وعمل دونوں پہلوؤں سے کمزوری کی اس کگار پر کھڑی ہے جہاں سے گرنے کے لیے ایک جھٹکا یا دھکا ہی کافی ہوتا ہے اور یہ کام کرنے کی دوسری طرف پوری تیاری ہے؛ اس لیے ہمیں ایک طرف تو جذباتیت سے نکل کر دوراندیشی اور حکمت کو اپنانا ہے کہ ہمارے کسی قول وفعل کو بہانہ بنا کر، اُن کو فائدہ اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ دوسری طرف اپنے اور اپنی نسلوں کے دین وایمان کے تحفظ کے لیے اس طرح کام کرنا ہے کہ سب کے لیے ایمان پر جینا اور ایمان ہی پر مرنا آسان ہوسکے۔

❊ ❊ ❊

علامہ کشمیریؒ شرح حدیث منہج وخصوصیات

(۳/۳)

از: مولانا محمد اجمل قاسمی
استاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

شرح حدیث میں علامہ کے وسائل

شرح حدیث کے لیے اہل علم کے نزدیک بنیادی وسیلہ تحریر رہا ہے، آج ہمارے پاس شروح حدیث کے جو ذخیرے موجود ہیں وہ محدثین اور اہلِ علم کی تحریری کاوشوں کے مجموعے ہیں؛ مگر نہایت افسوس کا مقام ہے کہ علامہ نے شرح حدیث میں اس وسیلے کو نہیں اپنایا، بس چند رسائل ہیں جو وقتی ضرورت کے تحت بعض موضوعات پر سپرد قرطاس ہوگئے، اگر علامہ نے تحریر کو شرح حدیث کے وسیلے کے طور پر اختیار کیا ہوتا، تو آج ہمارے سامنے علوم ومعارف کا ایسا ذخیرہ ہوتا جو اپنی مثال آپ ہوتا، علامہ نے تحریر سے گریز کیوں کیا، اور آپ کا تحریر سے گریز کرنا اہل علم کے لیے کیسا سانحہ تھا، اس کا جواب انھیں کے ایک شاگرد کی زبانی سنیے، مولانا نعمانی رقم طراز ہیں:

> ''یہ ایک بڑا علمی سانحہ ہے کہ ممدوح نے اپنے علم کی نشانی کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی؛ لیکن اس کی وجہ غالباً یہ بھی ہوئی کہ حضرت کو زمانہ کی طرف سے مایوسی تھی، تاہم بعض خاص خاص مسائل وموضوعات پر جو چند رسالے خود آپ کے لکھے ہوئے ہیں، ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کی سطح زمانہ کی سطح سے کس قدر بلند ہے، اور آپ کی نظر کتنی دقیق اور علم کتنا عمیق ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے زمانہ کے بہت سے اہل علم اپنے کو ان رسالوں کے سمجھنے سے عاجز وقاصر پاتے ہیں'' (حیات نعمانی ۵۴۸)

اوپر کی سطور سے واضح ہوا کہ علامہ نے بہت ہی محدود پیمانے پر تحریر کو شرح حدیث کے لیے وسیلہ کے طور پر استعمال کیا۔ شرح حدیث کا دوسرا وسیلہ تدریس وتقریر اور زبانی افادات کا ہے، علامہ نے بنیادی طور اسی وسیلے کو استعمال کیا، آج آپ کے افادات کا بڑا حصہ جو ہمارے پاس موجود ہے وہ آپ کے زبانی افادات کا فیضان ہے جو آپ کے علم دوست اور معارف وحکمت کے قدردان تلامذہ

نے مرتب کیا ہے، یہ افادات استنادی حیثیت سے تحریری کاوش کے درجے کو تو نہیں پہنچتے، اور نہ ہی ان میں وہ منہجیت اور اسلوب پایا جاتا ہے جو کسی عظیم مصنف کی تصنیفات میں ہوتا ہے، پھر اس پر مزید یہ کہ شاگردوں کے ذریعہ مرتب شدہ یہ افادات حضرت کی نظر سے گذر بھی نہ سکے؛ مگر بایں ہمہ ان افادات میں علوم ومعارف کے جو جواہر پارے بکھرے ہوئے ہیں، اور جیسی جیسی مشکلات کا ان میں حل ہے وہ عام شروح حدیث میں کمیاب ہے۔ حضرت کے یہاں شرح حدیث کا بنیادی وسیلہ چوں کہ زبانی افادات ہیں، اور زبانی افادات میں تدریس بنیادی اور اساسی وسیلہ رہا ہے؛ اس لیے ہم آپ کی تدریس اور اس کے امتیازات پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالنا پسند کریں گے، پھر اس کے بعد شرح حدیث میں جو آپ کے امتیازات تھے اسے واضح کریں گے۔

سب سے نمایاں امتیاز انقلابی انداز تدریس کی بنیاد

شرح حدیث میں آپ کے مشائخ کا جو متوارث منہج تھا، اس کی وضاحت خود آپ کی زبانی اوپر گذر چکی ہے، اس منہج کا خلاصہ آپ کے الفاظ میں آپ کے نزدیک یہ ہے کہ حدیث کو فقہ حدیث کے ساتھ پڑھایا جائے، اور آپ کے بیان کے مطابق دارالعلوم دیوبند کے قیام کا ایک اہم مقصد اسی نہج کے مطابق حدیث کی تشریح اور درس وتدریس کا کام انجام دینا تھا، علامہ کشمیریؒ نے بھی اپنے مشائخ کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے اسی منہج کو اپنایا، اور اپنے ہمہ جہت جامع مطالعہ، وسیع وعمیق معلومات، بے نظیر قوت حافظہ اور قدیم وجدید اور منقول ومعقول کی زبردست واقفیت سے اس منہج کو سنورا نکھارا، اور اس میں بہت سے اہم امور کا اضافہ کرکے اس کو بے مثال ترقی دی، آپ کے ان گراں قدر اضافوں کو بجا طور پر آپ کی انفرادیت، اور امتیازات وخصوصیات میں شمار کیا گیا ہے جسے ہم خصوصیات وامتیازات کے عنوان سے ہی آگے پیش کریں گے؛ لیکن ہم آپ کی سب سے اہم انفرادیت وخصوصیت کو جو کہ بلاشبہ تدریس کی دنیا کا ایک اہم انقلاب تھا مذکورہ بالا عنوان کے تحت کے پیش کرتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے شرح حدیث میں تدریس اور تحریر دونوں کا طریقہ اختیار کیا، تحریر میں حضرت شاہ صاحب کا کیا طریقہ تھا، وہ علامہ کشمیری کے خطبے کے ضمن میں بیان ہوگیا اور تدریس میں ان کا جو انداز تھا اس کے بارے میں ''نقش دوام'' کا یہ اقتباس دوبارہ نقل کرنا مناسب ہوگا:

> ''عرض کرچکا ہوں کہ شاہ ولی اللہؒ کا طریق درس حدیث کی ضروری وضاحت سے زیادہ نہیں تھا، مولانا گنگوہیؒ ومولانا نانوتویؒ نے اس میں فقہ حنفی کے مآخذ کی نشاندہی کا اضافہ کیا'' (نقش دوام، ص: ۱۴۷)

اس اقتباس سے حضرت گنگوہی اور نانوتوی کا طریق درس بھی معلوم ہوگیا کہ انھوں نے شاہ صاحب کے متوارث طریقے کو باقی رکھتے ہوئے اس میں فقہ حنفی کے مآخذ کی نشان دہی کا اضافہ کیا، شیخ الہند بھی اسی طریق پر قائم رہے؛ چناں چہ حضرت گنگوہی کی درسی تقریریں جو حضرت مولانا محمد یحی سہارنپوری رحمۃ اللہ کے ذریعہ قلم بند کی گئیں، یا حضرت شیخ الہند کی تقریر ترمذی میں یہ انداز دیکھا جاسکتا ہے، مختصر اشارات اور توجیہات پیش کی جاتی ہیں، اور لمبی تقریروں سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

مگر جب یہ سلسلہ حضرت علامہ کشمیری تک پہنچا تو یکا یک اس میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہوا، آیئے اس سلسلے کے کچھ وجد آفریں اقتباسات ''نقش دوام'' سے سنتے ہیں:

''مولانا کشمیری قدس سرہ العزیز نے عام درس گاہی طریق درس میں یکسر انقلاب برپا کیا، آپ نے حدیث کی شرح وتفصیل میں صرف ونحو، فقہ، اصول فقہ، معانی و بلاغت، اسرار وحکم، سلوک وتصوف، فلسفہ، منطق، سائنس وعصری علوم کا ایک گراں قدر اضافہ، رجال کی بحثیں، مصنّفین ومولفین کی تاریخ وسوانح، تالیفات وتصنیفات پر نقد وتبصرہ آپ کے درس کا ایک امتیاز تھا'' (ایضا)

خیر یہ جو مذکور ہوا وہ اُس حدیث دیگراں کا خلاصہ تھا جو مؤلف ''نقش دوام'' کو دوسروں سے پہنچی، اب آیئے ان لوگوں کا بیان سنتے ہیں جنھوں نے اس کیف آور انقلاب کا نظارہ براہ راست اپنی آنکھوں سے کرکے اپنے دیدہ ودل کو منور کیا، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت شاہ صاحب کے درس حدیث میں کچھ ایسی خصوصیات نمایاں ہوئیں جو عام طور سے دورس میں نہ تھیں؛ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ کا انداز درس دنیائے درس ''وتدریس میں ایک انقلاب عظیم ثابت ہوا'' (نقش دوام، ص:۱۴۹)

مولانا گیلانی لکھتے ہیں:

''پہلی دفعہ درس کے ایک نئے طریقہ کے تجربہ کا موقع میرے لیے یہ تھا کہ بسم اللہ بھی کتاب کی شروع نہیں ہوئی تھی کہ علم کا ایک بحر بیکراں بلا مبالغہ عرض کررہا ہوں میرے دل ودماغ کے ساحلوں سے ٹکرانے لگا''

اسی سلسلۂ کلام میں تحریر کرتے ہیں:

''لیکن الامام کشمیری نے قبل اس کے کہ کتاب کا کوئی لفظ بھی شروع ہوا ہو، ایک خاص قسم کی دلچسپ ترنم آمیز آواز میں تقریر شروع کی، کس کس موضوع سے اس تقریر کا تعلق تھا، تقریباً چالیس سال بعد اس کا دہرانا آسان نہیں؛ لیکن بعض انقلابی تاثرات کا نشان

حافظہ پر جہاں تک خیال کرتا ہوں اب بھی باقی ہے‘‘

مزید لکھتے ہیں:

’’پہلے دن کے پہلے ہی سبق میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ برسوں میں حاصل ہونے والے معلومات یکا یک میرے سامنے آ گئے۔۔۔ یادداشت اور حافظہ کی غیر معمولی قوت کا نتیجہ یہ تھا کہ معلومات کا طوفان شاہ صاحب کے اندر تلاطم پذیر رہتا تھا، کسی مسئلہ پر تقریر فرماتے ہوئے اسی مناسبت سے ان کا ذہن کسی دوسرے مسئلہ کی طرف منتقل ہوتا تو عموماً فرماتے ’’دفاع ہوگیا مجھے اس مسئلہ کی طرف‘‘ ان دفاعی مسائل میں صرف ونحو، معانی، بدیع وغیرہ فنون تک شامل تھے،، (حدیث کی تشریح میں علامہ کا روئے سخن اگر دوسرے علوم وفنون کی طرف مڑ جاتا تھا تو کہتے تھے دفاع ہوگیا (نقش دوام،ص:۱۵۱)

گویا علامہ کشمیری کے درس کی بنیادی اور اولین خصوصیت وامتیاز جامعیت، احاطہ، اور موقع ومناسبت سے مختلف علوم وفنون کے نوادرات سے طلبہ کے دماغ کو لبریز کرنا تھا، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اس بنیادی خصوصیت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’حضرت ممدوح کے علمی تبحر اور علم کے بحر ذخار ہونے کی وجہ سے درس حدیث صرف علوم حدیث تک ہی محدود نہ تھا؛ بلکہ ضمناً لطیف نسبتوں کے ساتھ ہر علم وفن کی بحث آتی، اگر معانی وبلاغت کی بحث آتی تو محسوس ہوتا کہ علم معانی کا یہ مسئلہ واضع نے اسی حدیث کے لیے وضع کیا تھا، معقولات کی بحث چل نکلتی اور آپ معقولیوں کے کسی مسئلہ کا رد فرماتے تو اندازہ ہوتا کہ گویا یہ حدیث معقولات کے مسئلہ کی ہی تردید کے لیے قلب نبوی پر وارد ہوئی تھی، غرض اس نقلی وروایتی فن نقل وعقل دونوں کی بحثیں آتیں، اور ہر فن کے متعلقہ مقصد پر ایسی سیر حاصل اور محققانہ بحث ہوتی، پھر علاوہ بحث حدیث کے وہ فنی مسئلہ ہی فی نفسہ اپنی پوری تحقیق کے ساتھ منقح ہوکر سامنے آجاتا تھا۔۔۔ حضرت شاہ صاحب کا درس حدیث محض حدیث تک محدود نہ تھا؛ بلکہ فقہ، تاریخ، ادب، کلام، فلسفہ، منطق، ہیئت، ریاضی، سائنس؛ الغرض تمام علوم جدیدہ وقدیمہ پر مشتمل ہوتا‘‘ (نقش دوام،ص:۱۵۲)

اب آخر میں اس عنوان کو علامہ کے ایک اہم شاگرد مفتی محمود صاحب مالوہ کے بیان پر ختم کرتے ہیں، جو تدریس کی دنیا میں حضرت علامہ کے امتیاز ومقام بلند کو ایجاز کے باوجود بڑی خوبی سے واضح کرتا ہے مفتی فرماتے ہیں اور بجا فرماتے ہیں:

’’ہندستان نے حضرت شاہ ولی اللہ سے بڑھ کر کوئی مصنف اور مولانا انور شاہ سے

ممتاز کوئی مدرس پیدا نہیں کیا'' (نقش دوام، ص: ۱۴۵)

شرح حدیث میں علامہ کی خصوصیات

کسی شارح یا مصنف کی خصوصیات کو بیان کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو گہرائی سے پڑھا جائے، اور جس موضوع سے اس کو تعلق ہے اس موضوع کو بھی مالہ وماعلیہ کے ساتھ سمجھا جائے، نیز اس موضوع پر کام کرنے والے دیگر اہم مولفین کے بھی منہج واسلوب اور امتیازات وخصوصیات سے بھی واقفیت حاصل کی جائے، ہمارے لیے مقام مسرت ہے کہ علامہ کے بلاواسطہ شاگردوں میں ایک پوری جماعت ایسی ہے جو ان شرائط کی جامع ہے، انھوں نے علامہ سے نہ صرف استفادہ کیا ہے؛ بلکہ آپ کے افادات اور علوم ومعارف کی جمع وتدوین کا کام بھی انہی لوگوں کے ہاتھوں انجام پایا ہے، آپ کے ان لائق وفائق شاگردوں نے جہاں اپنے عظیم استاذ کے علوم ومعارف کو مرتب کیا ہے وہیں شرح حدیث میں آپ کے امتیازات وخصوصیات کو بھی بڑی وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، آپ کی سوانح عمریاں ہوں یا آپ کے افادات علمیہ کے مجموعے، تقریباً سبھی نے امتیازات وخصوصیات کو اپنا موضوع بنایا ہے، آپ کے لائق وفائق شاگردوں میں جن لوگوں نے شرح حدیث میں آپ کے امتیازات وخصوصیات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے، ان میں سرفہرست علامہ محمد یوسف بنوری، فاضل یگانہ مولانا مناظر احسن گیلانی، اور شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہم اللہ تعالیٰ خاص طور قابل ذکر ہیں: اول الذکر نے علامہ کشمیری کی حیات پر لکھی جانے والی سب سے مستند کتاب نفحۃ العنبر کے متعدد مقامات پر آپ کی خصوصیات وامتیازات سے بحث کی ہے، یہاں سب سے پہلے ہم ان خصوصیات کو نقل کرتے ہیں جو احادیثِ احکام کی شرح سے متعلق ہیں:

احادیثِ احکام سے متعلق خصوصیات

(۱) مولانا کاندھلوی فرماتے ہیں:

''فقہ الحدیث پر جب کلام فرماتے تو اولاً ائمہ اربعہ کے مذاہب نقل فرماتے، اور پھر ان کے وہ دلائل بیان فرماتے جو ان مذاہب کے فقہاء کے نزدیک سب سے زیادہ قوی ہوتے، پھر ان کا شافی جواب اور امام اعظم کے مسلک کی ترجیح بیان فرماتے تھے۔

حنفیت کے لیے استدلال وترجیح میں کتاب وسنت کے تبادر اور سیاق وسباق کو پورا ملحوظ رکھتے، اور اس بات کا خاص لحاظ رکھتے کہ شریعت کا منشاء ومقصد اس بارے میں کیا ہے، اور یہ حکم خاص شریعت کے احکام کلیہ کے تو خلاف نہیں، شریعت کے مقاصد کلیہ کو مقدم رکھتے، اور احکام جزئیہ میں اگر بے تکلف توجیہ ممکن ہوتی تو کرتے ورنہ قواعد کلیہ کو ترجیح

دیتے جوطریقۂ فقہاء کرام ہے۔''

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ شرح حدیث میں حنفیت کی ترجیح واستحکام حضرت کی بنیادی اوراہم ترجیحات میں شامل تھا؛ چناں چہ احناف کے موقف کوشواہد ودلائل سے مدلل ومبرہن کرنے کا بہت خاص اہتمام تھا،اس سلسلے کی بہت اہم تفصیلات علامہ محمد یوسف بنوری اور مولانا منظوراحمد نعمانی کے حوالے سے قلمبند ہوچکی ہیں،آپ کے اسی خصوصی اہتمام ہی کا نتیجہ کہ طالب علم حنفیت کے بارے میں اطمینان لے کرسبق سے اٹھتا تھا،مشہور عارف باللہ مولانا عبدالقادر رائے پوری جنہوں نے دہلی کے قیام کے زمانہ میں آپ سے ترمذی وغیرہ پڑھی تھی فرماتے ہیں:

''دلی آنے سے پہلے ایک غیر مقلد عالم سے پڑھتا تھا،عدم تقلید کے موضوع پران کی تقریریں سننے کے بعد میرا ذہن بھی تقلید سے بیزار ہوگیا،خوش قسمتی سے اسی زمانہ میں دہلی پہنچا اورحضرت شاہ صاحب مرحوم سے ترمذی وغیرہ پڑھنے کا موقع ملا،تقلید اور چاروں فقہوں میں فقہ حنفی کی گہرائی اور گیرائی اس طرح دلنشین ہوگئی کہ پھر کبھی میری حنفیت میں تزلزل پیدانہیں ہوا'' (نقش دوام،ص:۷۸)

(۲) نقل مذاہب میں قدماء کی نقول پیش فرماتے اوران کومتاخرین کی نقول پر مقدم رکھتے،ائمہ اجتہاد کے اصل اقوال پہلےنقل فرماتے،پھرمشائخ کے اقوال ذکرفرماتے تھے۔

صاحب''نقش دوام'' نے حضرت مولانا کاندھلوی کے حوالے سے یہ بھی نقل فرماتے ہیں:

''ہرمسئلہ کی اصل اوراس کا سرا معلوم تھا،اصلی کلی کے بتلادینے کے بعد یہ بھی بتلادیتے کہ فلاں فلاں مسئلہ اس پرمتفرع ہےاوران مسائل میں مابہ الاشتراک اور مابہ الاختلاف یہ ہے۔یہ طریقہ نہایت دقیق اورعمیق ہے،جب تک روایات مختلفہ میں میں فقہاء کرام کا منشاء خلاف اورسبب اختلاف معلوم نہ ہومسئلہ کی حقیقت منکشف نہیں ہوتی''(نقش دوام،ص:۱۵۶)

(۳)''امت کے درمیان ایسے مختلف فیہ متوارث اعمال جن پرعلی رؤوس الاشہاد عمل ہوتا چلا آیا ہے جیسے رفع یدین اوروتر کی رکعتوں کی تعداد اوران جیسے دوسرے مسائل،ایسے مسائل کی تشریح کرتے ہوئے اختلاف کی اصل بنیاد اورمنشا کو واضح کرنے کا خاص اہتمام فرماتے تھے،اورایسے اختلاف کوعوام کے ذہن کے قریب لاتے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کرتے کہ یہ اختلاف فطری تھا جسے وجود میں آنا ہی چاہیے تھے،اوراصحاب مذاہب اس میں معذور تھے،اورآپ یہ طریق کاراس لیے اختیار کرتے؛تاکہ توارث وتعامل جوکہ ایک دلیل شرعی ہےاس کے بارے میں لوگوں کو بدگمانی نہ ہو۔''(نفحۃ العنبر،ص:۶۵)

(۴) مسائل خلافیہ میں تفصیل کے بعد یہ بھی بتلا دیتے کہ اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے، گویا وہ ایک قسم کا فیصلہ ہوتا جو طلبہ کے لیے موجبِ طمانیت ہوتا۔

(۵) حافظ ابن حجر چونکہ امام شافعی کے مقلد ہیں؛ اس لیے امام شافعی کی تائید میں جابجا امام طحاوی کے اقوال اور استدلال نقل کر کے اس امر کی پوری سعی کرتے ہیں کہ امام طحاوی کا جواب ضرور ہوجائے، بغیر امام طحاوی کا جواب دئے گذرنے کو حافظ عسقلانی یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے حق شافعیت ادا نہیں کیا، درس میں حضرت شاہ صاحب کی کوشش یہ رہتی تھی کہ مسائل فقہیہ میں بغیر حافظ کا جواب دئے نہ گذریں۔ (یہاں تک جن خصوصیات کے حوالے نہیں دئے گئے وہ مولانا کاندھلوی کی بیان کردہ ہیں دیکھیے انوار الباری، ج ۲/۴۲۹ و ۳۰)

(۶) آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اگر کسی مسئلے میں امام ابوحنیفہ سے دو روایتیں ہوتیں یا مشائخ احناف کے دو قول ہوتے، تو آپ اس قول کو اختیار کرتے جو بلا تکلف حدیث کے موافق ہوتا، خواہ وہ قول ظاہر روایت کے خلاف کوئی نادر ہی قول کیوں نہ ہو، اور اگر باب میں کوئی صریح حدیث نہ ہوتی، یا معاملہ بین بین ہوتا (یعنی دو قول میں سے ہر ایک کے پیچھے یکساں دلائل ہوتے) تو پھر اس قول کو ترجیح دیتے جو دیگر ائمہ کے مذاہب کے زیادہ موافق ہوتا، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہوتا تو مذاہب کے درمیان کم از کم تقریب کی کوشش کرتے۔ آپ کی یہ روش اکثر قدیم جدید علماء کے خلاف تھی، عام لوگوں کا طریقہ یہ رہا کہ اختلافی مسائل میں اپنے امام کے کسی ایسے قول کو ترجیح دیتے ہیں جو دیگر مذاہب سے بہت دور ہوتا ہے اور پھر تکلّفات اور تاویلاتِ بارده کا سہارا لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اسی خصوصیت کے بیان میں مولانا نعمانی یہ اضافہ بھی کرتے ہیں:

> ''اسی سلسلہ میں (علامہ کشمیری نے) فرمایا: میرا اپنا تو اصول یہی ہے؛ لیکن دوسرے اہلِ فتوی اپنے اصول پر جو فتوی لکھتے ہیں میں ان کی بھی تصدیق کر دیتا ہوں، اور میری اس تصدیق کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ از روئے فقہ حنفی یہ جواب بھی صحیح ہے'' (حیات نعمانی، ص: ۵۵۴)

(۷) آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اگر حدیث سے کوئی مسئلہ ثابت ہوتا، اور ظاہر روایت اس مسئلے کے خلاف ہوتی، اور اس ظاہر روایت کا مستدل بھی کوئی حدیث ہوتی، تو ایسی صورت میں مشائخ حنفیہ کسی بھی درجے میں ظاہر روایت کے خلاف حدیث سے ثابت شدہ مسئلے پر عمل کی اجازت نہیں دیتے؛ جب کہ علامہ کے نزدیک اس مسئلے پر خلاف اولی کے درجے میں عمل کی گنجائش تھی۔

(۸) حدیث سے شارع کا جو مقصود ہوتا وہ اگر آپ کے نزدیک واضح اور متعین ہوجاتا؛ مگر اس

باب میں امام ابوحنیفہ سے کوئی روایت اس کے موافق نہ ملتی؛ البتہ صاحبین میں سے دونوں کو یا کسی ایک کی روایت اس کے مطابق مل جاتی تو حدیث کی مراد کے موافق ہونے کی وجہ سے آپ اسی کو اختیار کر لیتے، اور وہی آپ کی بھی رائے ہوتی۔

(۹) اسی طرح سے اگر کسی مسئلے میں امام صاحب سے کئی روایات ہوتیں، اور دلیل و برہان سے کسی قول کی بقیہ اقوال پر ترجیح ممکن نہ ہوتی، تو ایسی صورت علماء مختلف الخیال ہیں، بعض کی رائے یہ ہے کہ ترجیح کا راستہ اختیار کیا جائے گا؛ جب کہ بعض جمع وتطبیق کے قائل ہیں، علامہ ایسی صورت میں جمع وتوفیق کا راستہ اختیار فرماتے تھے، جیسا کہ متعارض احادیث میں مقدم ومؤخر اگر معلوم نہ ہوں تو محدثین جمع وتوفیق کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

(۱۰) شرح حدیث میں فقہاء کے مذاہب کو بیان کرنے میں کبھی یہ طریقہ اپناتے کہ امام شافعی کے موقف اور دلیل کو پہلے بیان کرتے، پھر حنفیہ کا مذہب ان کے دلائل اور فریق مخالف کے دلائل کا جواب عرض کرتے، اس سے بات زیادہ دلنشیں اور پختہ ہوجاتی تھی۔

(۱۱) مشکل اور متعارض احادیث کی شرح کرتے ہوئے آپ کسی ایک لفظ یا کسی ایک طریق کو گفتگو کا محور بنانے کے بجائے باب کی تمام احادیث کو جمع کرکے ان میں شارع کے الفاظ کو جاننے کی کوشش کرتے؛ اس لیے کہ احادیث میں روایت بالمعنی کا رواج رہا ہے، ایک ہی حدیث کے الفاظ روایت بالمعنی کی وجہ مختلف طرق میں الگ الگ ہوجاتے ہیں؛ لہٰذا حدیث کے صحیح مفہوم تک رسائی کے لیے تتبع اور غور وفکر کے ذریعہ شارع کے اصل الفاظ کی تعیین ضروری ہے؛ تاکہ صحیح مراد تک رسائی آسان ہو، بہت سے فقہی اختلاف اسی لفظی اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں، جو روایت بالمعنی کی وجہ سے حدیث کے مختلف طرق میں پیدا ہوئے ہیں۔ (یہ خصوصیات ''نفحۃ العنبر'' سے ماخوذ ہیں دیکھیے (از ص ۵۱ تا ۶۵، و ۲۸۴ تا ۲۸۸) اور اگر اس ضمن کوئی اضافہ کہیں اور سے کیا گیا ہے تو اس کا حوالہ درج کردیا گیا ہے)

عام امتیازات وخصوصیات

(۱) درس حدیث میں سب سے اول زیادہ توجہ اس طرف فرماتے تھے کہ حدیث نبوی کی مراد باعتبار قواعد عربیت وبلاغت واضح ہوجائے، حدیث کی مراد کو علمی اصطلاحات کے تابع بنانے کو بھی پسند نہ فرماتے تھے؛ کیوں کہ اصطلاحات بعد میں پیدا ہوئیں اور حدیث نبوی زماناً اور رتبتاً مقدم ہے۔

(۲) خاص خاص مواضع میں حدیث نبوی کا ماخذ قرآن کریم سے بیان فرماتے، اور اسی مناسبت سے بہت سی مشکلاتِ قرآنیہ کو بھی حل فرمادیتے تھے۔

(۳) حسب ضرورت اسماء الرجال پر کلام فرماتے، خصوصاً جن رواۃ کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہوتا، تو اس میں جرح وتعدیل کے اختلاف کو نقل کرکے اپنی طرف سے ایک قول فیصل بتلادیتے کہ یہ روای کس درجہ میں قابل قبول ہے، اس کی روایت حسن کے درجہ میں ہے یا صحیح کے یا قابل رد ہے، یا قابل اغماض یا لائق مسامحت، زیادہ تر فیصلے کا طریقہ یہ بھی رکھتے کہ جب کسی راوی کی جرح وتعدیل میں اختلاف ہوتا تو یہ بتلادیتے کہ یہ راوی ترمذی کی فلاں سند میں واقع ہے، اور امام ترمذی نے اس روایت کی تحسین یا تصحیح فرمائی ہے۔

(۴) درس بخاری میں تراجم کے حل کی طرف خاص توجہ دیتے، اولاً بخاری کی غرض ومراد واضح فرماتے، بہت سے مواقع میں حل تراجم میں شارحین کے خلاف مراد منقح فرماتے تھے، ثانیاً یہ بھی بتلاتے کہ اس ترجمۃ الباب میں امام بخاری نے ائمہ اربعہ میں سے کس امام کا مذہب اختیار فرمایا اور پوری بخاری آپ سے پڑھنے کے بعد واضح ہوتا کہ سوائے چند مسائل مشہورہ کے اکثر جگہ امام بخاری نے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی موافقت کی ہے۔

(۵) اسرارِ شریعت میں شیخ محی الدین بن عربی اور شیخ عبدالوہاب شعرانی کا کلام زیادہ نقل فرماتے تھے۔ (یہ خصوصیات مولانا کاندھلوی کی بیان کردہ ہیں دیکھیے انوارالباری، ج ۲/۴۳۰)

شرح حدیث میں اسرار شریعت بیان کرنے سے سامعین کو کیسا انشراح حاصل ہوتا تھا مولانا نعمانی کی زبانی سنیے:

''بعض مشکل دینی حقیقتوں کے بارے میں ان سے بڑا انشراح اور اطمینان حاصل ہوتا''۔

(حیات نعمانی ص:۵۵۶)

صاحب ''نقش دوام'' اسی خصوصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''علامہ کا خاص دستور تھا کہ وہ حدیث کے اسرار وحکم؛ بلکہ مجموعہ شریعت کے مصالح پر طویل کلام فرماتے، یوں بھی آپ کو صوفیاء سے ایک غیر معمولی عقیدت تھی، یہی تأثر کبھی کبھی ان الفاظ میں آپ کی درس گاہ میں سنا جاتا کہ: ''صوفیاء کی دل پسند باتوں سے قلب ودماغ مطمئن ہوتے ہیں، جب کہ مناطقہ وفلاسفہ کی ہفوات سے ایک نہ ختم ہونے والی تشویش پیدا ہوتی ہے۔'' (نقش دوام، ص:۱۶۳)

(۶) آپ حدیث کی شرح میں الفاظ کے عموم کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے؛ بلکہ بیان مطلب میں آپ کا مطمح نظر شارع کی غرض اور منشا واضح کرنا ہوتا تھا، فرماتے تھے کہ متکلم کی غرض کبھی لفظ کے منطوق اور مدلول مطابقی سے عام ہوتی ہے، کبھی خاص ہوتی ہے، اور کبھی مساوی ہوتی ہے؛ چناں چہ

کلام کو اس کے صحیح محمل پر محمول کرنے کی کوشش کرتے، اور کلام کا وہ مطلب بیان کرتے جو متکلم سے ہم آہنگ ہوتا، آپ کی نظر الفاظ کے عموم اور لغوی مفہوم کے بجائے شارع کی اصل غرض پر مرکوز ہوتی؛ اسی لیے آپ شوافع کے ایسے استدلال کے جواب میں جو خصوص پر مبنی ہو عمومیات سے جواب دینا پسند نہیں فرماتے تھے۔

(۷) درس بخاری کے وقت آپ دائیں بائیں حدیث بالخصوص متون حدیث کی بہت سی کتابیں رکھتے تھے، اور صحیح بخاری سے جڑا ہوا کوئی اشکال ان کتابوں میں ہوتا تو کتاب کھول کر طلبہ کے سامنے متعلقہ عبارت پڑھتے اور اشکال کو حل کرتے، اسی طرح موضوع سے متعلق کسی کتاب میں کوئی فائدہ یا نادر بات ہوتی تو اسے بھی اس کتاب سے پڑھ کر سناتے؛ چناں چہ درس بخاری صحیح بخاری تک ہی محدود نہ رہتا؛ بلکہ اسی ضمن میں دوسری امہات الکتب وغیرہ کا بھی درس ہو جاتا۔

(۸) شرح حدیث میں آپ شارحین کے کلام کا خلاصہ پیش کرتے، اگر موضوع تفصیل طلب ہوتا تو تفصیل کے لیے اصل مصادر کی مراجعت کو کہتے، شارحین کے کلام کے علاوہ آپ کے سینے میں علوم کا جو ایک بحر بے کراں موجزن تھا اس سے نئے نئے فوائد کا اپنی طرف سے اضافہ کرتے۔ (ان خصوصیات کے لیے دیکھیے ''نفحۃ العنبر'' از ص ۵۱ تا ۶۵ و ۲۸۴ تا ۲۸۸)

(۹) حدیث کی ترجیح میں قوت اسناد کے ساتھ آثار صحابہ، قرآنی آیات کے اقتضاء اور اسلام کے کلی قوانین کو بیک وقت ملحوظ رکھنا پسند کرتے تھے، محض قوت اسناد کو بنیاد بنانے اور دیگر آثار و قرائن اور شواہد و دلائل کو نظر انداز کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے، مولانا گیلانی رقم طراز ہیں:

> ''اسماء الرجال کی کتابوں کو اٹھا کر راوی پر جرح کر کے مخالف کی حدیث کو ناقابل لحاظ بنا دینا اور صرف امالی رجسٹروں کی مدد سے کسی روایت کو ترجیح دینا اور آثار صحابہ، قرآنی آیات کے اقتضاء اور اسلام کے کلی قوانین و اصول سے چشم پوشی؛ حضرت شاہ صاحب شافعیوں کے اس طرز عمل کو پسند نہیں فرماتے تھے'' (نقش دوام، ص: ۱۵۹)

(۱۰) آپ دورانِ درس حدیث کے رجال کے ساتھ، ان مصنّفین کے حالات و علمی مقام و مرتبہ کا تذکرہ لازماً کرتے جن کے حوالے شرح حدیث میں آتے تھے، جس سے حاضرین کو مختصر وقت میں سیر و سوانح کے ساتھ کتابوں کی بھی حیثیت معلوم ہوتی، اور سننے والوں کو ان نئی کتابوں سے استفادہ کا شوق بھی پیدا ہوتا، مولانا گیلانی لکھتے ہیں:

> ''وہ اپنے عہد کے طلبہ کی علمی بے بضاعتی کا اندازہ کر کے تکلیف اٹھا کر علاوہ موضوع درس کے چند خاص امور کا تذکرہ التزاماً اپنے درس میں ضرور فرمایا کرتے تھے، مثلاً جن مصنّفین

کی کتابوں کا حوالہ دیتے ان کی ولادت ووفات کے سنین کے ساتھ مختصر حالات اوران کی علمی خصوصیت، علم میں ان کا خاص مقام کیا ہے؟ ان امور پر ضرور تنبیہ کرتے چلے جاتے، یہ ان کا ایسا اچھا طریقہ تھا، جس کی بدولت شوقین اور محنتی طلبہ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر علم کے ذیلی ساز وسامان سے مسلح ہوجاتے یا کم از کم مسلح بننے کا ڈھنگ ان کو آجاتا تھا۔'' (نقش دوام، ص:۱۶۰)

(۱۱) حضرت شاہ صاحب شرح حدیث میں صرف حدیثی مذاہب تک محدود نہیں رہتے تھے؛ بلکہ موقع ومحل اورلطیف مناسبتوں سے تاریخ، ادب، کلام، بلاغت، فلسفہ، منطق، ہیئت، ریاضی، سائنس الغرض تمام علوم جدیدہ وقدیمہ پر بحث ہوتی تھیں، اورحدیث جیسے نقلی وروایتی فن میں نقل وعقل دونوں بحثیں آتیں، اور ہرفن کے متعلقہ مقصد پر سیر حاصل اور محققانہ بحث ہوتی، جس سے بحث حدیث کے علاوہ فنی مسئلہ بھی پوری تحقیق کے ساتھ منقح ہوکر سامنے آجاتا تھا۔ (نقش دوام، ص:۱۵۱)

اوپر جو بات پیش کی گئی، وہ حضرت قاری محمد طیب صاحب کے بعض ارشادات کا خلاصہ ہے، مولانا گیلانی کے یہاں یہی حقیقت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

''عموماً وہ اس کا موقع بھی تلاش کیا کرتے کہ علاوہ حدیث کے اسلامی علوم کے طلبہ وعلماء کے لیے متعلقہ علوم وفنون کے جن اصول وکلیات کا جاننا ضروری ہے ان کا بہ ادنیٰ مناسبت ذکر فرماتے اور مسئلہ کی ایسی تاریخ بیان فرماتے جس کے سننے کے بعد معلوم ہوجاتا تھا کہ اس مسئلہ کی ابتداء کس شکل میں ہوئی اور کن کن نقاط سے گذرتے ہوئے موجودہ حال تک پہنچا'' (نقش دوام، ص:۱۶۱)

علامہ بنوری لکھتے ہیں:

''مختلف علوم وفنون کے مشکل مباحث جن کی عقدہ کشائی ارباب فن سے نہ ہوسکی ان کو حل کرنے کا خاص اہتمام تھا، اورکوئی معمولی مناسبت ہی روئے سخن کو ایسے مباحث کی طرف موڑ دینے کے لیے کافی تھی۔ (نفحۃ العنبر، ص:۱۰۱)

اس جامع درس کے جو عظیم فوائد مرتب ہوتے تھے حضرت قاری طیب صاحب کی زبانی سنیے:

''اس جامع درس کا طالب علم اس درس سے ہر علم وفن کا مذاق لے کر اٹھتا تھا، اوراس میں یہ استعداد پیدا ہوجاتی کہ وہ بضمن کلامِ خدا ورسول ہرفن میں محققانہ انداز سے کلام کرجائے، یہ درحقیقت درس کی لائن کا ایک انقلاب تھا جو زمانہ کی رفتار کو دیکھ کر علامہ کشمیری نے اختیار فرمایا'' (نقش دوام، ص:۱۵۴)

(۱۲) حضرت علامہ کی بعض تحقیقات ایسی نادر اور زبردست تھیں جو دین اسلام کے بارے میں طلبہ اور اہل علم کے لیے بڑی موجب طمانیت ہوتیں، اور دین کا دفاع کرنے والوں کے لیے ایک بڑی مضبوط اساس ہاتھ میں آجاتی تھی، مثال کے طور پر تواتر کے بارے میں حضرت کی ایک گراں قدر تحقیق ہے جس میں حضرت نے تواتر کی چار قسمیں بیان کی ہیں: (۱) تواتر اسناد جس کے بارے میں اصول حدیث میں بحث کی جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ کسی بھی روایت میں از ابتدا تا انتہا رُواۃ اتنی بڑی تعداد میں ہوں جن کی کذب بیانی عادۃً محال ہو۔ (۲) تواتر طبقہ: یعنی دین کی کوئی اہم چیز جو طبقہ بطبقہ ہم تک پہنچی اور اس میں رُواۃ موجود نہیں، جیسا کہ قرآن کریم کی حفاظت، اس میں اسناد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ (۳) تواتر عمل وتوارث: یعنی کوئی شرعی حکم توارث وتعامل کے ذریعے ہم تک پہنچا ہو اور اس میں خطا محال ہو، مثلاً نماز کہ اس میں رفع یدین وعدم رفع یدین تعاملاً اور توارثاً چلے آرہے ہیں، یہ تواتر زمانۂ رسالت سے لے کر اس وقت تک ہر طبقہ میں موجود ہے اور اپنی قوت کے اعتبار سے تواتر طبقہ سے قریب تر ہے۔ (۴) تواتر قدر مشترک: یعنی بہت سی احادیث جو اپنی اپنی جگہ خبر واحد کے درجے میں ہیں، ان کے الفاظ الگ الگ ہیں؛ مگر ان سے جو ایک قدر مشترک مضمون نکلتا ہے وہ ان تمام حدیث میں ایک ہے، اور وہ قدر مشترک متواتر کے درجے کو پہنچا ہوا ہے۔ فتح الملہم میں تحریر ہے کہ یہ حضرت شاہ صاحب کی نادر ومخصوص تحقیق ہے جسے اس تفصیل کے ساتھ اسلاف نے پیش نہیں کیا ہے۔ (نقش دوام، ص: ۳۸۸)

اس عظیم تحقیق کا ثمرہ اور نتیجہ کیا ہوگا، اس کا جواب فاضل گیلانی سے سنیے:

''پہلا دن تھا جب میرے کانوں نے اسناد والے تواتر کے سوا تواترِ طبقہ، تواترِ عمل اور تواترِ قدر مشترک کو سنا؛ سمجھایا گیا کہ دین کا بڑا اہم حصہ تواتر طبقہ، تواتر عمل اور تواتر قدر مشترک کی راہ سے منتقل ہوکر مسلمانوں کی پچھلی نسلوں میں اگلی نسلوں سے پہنچا ہے، اور تواتر کی ان تمام قسموں میں یقین آفرینی کی وہی قوت ہے جو قوت اسناد والے تواتر میں پائی جاتی ہے۔ یہ پہلا دن تھا جس میں قرآن کے بعد دین کا سارا نظام میرے لیے یقینی اور قطعی ہوگیا۔ خاکسار نے اپنی مختلف کتابوں اور مقالات میں امام کشمیری کی عطا کی ہوئی اس روشنی سے استفادہ کیا ہے؛ بلکہ مسلمانوں کے دینی اختلاف کی نوعیّتوں میں تمیز کا سلیقہ اسی انوری تحقیق سے پیدا ہوا'' (نقش دوام، ص: ۱۵۳)

حضرت شاہ صاحب کی یہ ایک تحقیق بطور مثال پیش کی گئی ہے، حضرت نے اپنے طویل اور وسیع مطالعے سے ایسی بہت سی قیمتی ونادر تحقیقات اور بہت سے اصول وکلیات اخذ کیے ہیں، جن سے دینی

حقائق کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

(۱۳) بسا اوقات بعض چیزیں نقل کر کے اس پر علمی تنقید کرتے، اور طلبہ کو علمی تنقید کا صحیح نہج بتاتے اور اس کی اساس فراہم کر دیتے؛ مگر ساتھ ہی اہلِ علم کے کلام کی اہمیت اور ان کی جلالت شان کے منافی کسی بھی تبصرہ سے محتاط رہنے کی تلقین کرتے۔ (نفحۃ العنبر، ص: ۲۸۵)

(۱۴) آپ کی کوشش ہوتی کہ طلبہ کو علوم میں ملکۂ راسخہ پیدا ہو جائے جس سے وہ دقیق اور پیچیدہ مسائل کو سمجھنے پر قادر ہو جائیں؛ چناں چہ آپ طلبہ کو بتاتے تھے کہ علوم و معارف کے بلند مقامات تک رسائی کیسے حاصل ہوگی؟ (نفحۃ العنبر، ص: ۱۰۱)

(۱۵) حضرت شرح حدیث کے وقت اپنے دور کے علمی فتنوں کی نشاندہی بھی کرتے اور بحث کر کے ان کے متعلق طلبہ کو مواد فراہم کر دیتے جس کی بنیاد پر طلبہ کے لیے ان فتنوں کا تعاقب آسان ہو جاتا، اور مقابلہ کے لیے ایک رہنما خطوط متعین ہو جاتے؛ چناں چہ آپ خود درس میں طلبہ کو مخاطب ہو کر فرماتے:

''بھائی اس زمانہ کے علمی فتنوں کے مقابلہ میں جس قدر ہو سکا، ہم نے سامان جمع کر دیا ہے'' (نقش دوام، ص: ۱۵۴)

(۱۶) آپ طلبہ کے سامنے محض حدیث و فقہ حدیث کی تشریح ہی نہیں کرتے تھے؛ بلکہ خدمت دین کے لیے ان کی ذہن سازی بھی کرتے۔ بلاشبہ خدمت دین کے لیے طلبہ کی ذہن سازی ایک ایسے استاذ کی بنیادی ذمہ داری ہے جس کے پڑھنے پڑھانے کی غرض دین کی اشاعت اور رضائے الٰہی ہے، علامہ بنوری تحریر فرماتے ہیں:

''طلبہ کو خدمتِ دین میں لگنے کی ترغیب دیتے، اور تاکید کرتے کہ علم کو کسبِ معاش یا فخر و مباہات کا ذریعہ نہ بنائیں؛ بلکہ دین حق کی نصرت اور اس کے دفاع میں ہر ممکن طریقے سے سرگرم عمل رہیں، طلبہ کے دلوں میں یہ بات بٹھاتے کہ بندے سے عمل صالح مطلوب ہے؛ نہ کہ علم، بندے کی تخلیق علم کے واسطے نہیں ہوئی ہے، آپ کے نزدیک انسان کی شرافت و بزرگی عبدیت سے ہے؛ نہ کہ علم سے۔'' (نفحۃ العنبر، ص: ۱۰۲)

آپ صرف ذہن سازی پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے؛ بلکہ موجودہ دور میں خدمتِ دین کے انجام دینے کے جو موثر طریقے ہو سکتے تھے؛ ان کی بھی نشاندہی فرماتے، مولانا نعمانی آپ کی ایک تقریر کا اقتباس نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں اب دین کی خدمت اور دین سے دفاع کرنے کے لیے ضروری ہے کہ

اردو میں مہارت پیدا کی جائے، اور باہر کی دنیا میں دین کا کام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انگریزی زبان کو ذریعہ بنایا جائے، میں اس بارے میں آپ صاحبوں کو خاص طور سے وصیت کرتا ہوں'' (حیات نعمانی، ص:۵۵۴)

(۱۷) مولانا کاندھلوی آپ کی ایک اور خصوصیت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''درس کی تقریر موجز ومختصر؛ مگر نہایت جامع ہوتی (جس سے ذی علم مستفید ہوسکتے تھے) ہر کس وناکس کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔'' (انوارالباری، ج۲/۴۳۰)

دفع دخل مقدر

مولانا کاندھلوی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کی درسی تقریر میں ایجاز واختصار ہوتا تھا، جب کہ علامہ کے بارے میں یہ بات شہرت کو پہنچی ہوئی ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں طویل درسی تقریروں کا رواج آپ ہی کے ذریعے ہوا، آپ کی تدریس کے بارے میں ہم نے جو کچھ تحریر کیا ہے، اور اس سلسلے میں جو اقتباسات پیش کیے ہیں ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی درسی تقریریں خاصی طویل ہوتی تھیں؛ بلکہ صاحب ''نقش دوام'' نے تو ایک مقام پر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے یہ صراحت بھی نقل فرمائی ہے:

''مرحوم حضرت شاہ صاحب کشمیری نے طویل تقریروں کی بنیاد ڈال کر ہم ایسوں کو پریشانی میں مبتلا کردیا، وہ اپنے بے پناہ علوم اور زبردست قوت حافظہ کی بنا پر اس طریقہ کو نبھاتے؛ لیکن جو ان صفات سے خالی ہیں وہ ضیق محسوس کرتے ہیں''

حضرت مدنی کے بارے میں غلط فہمی نہ ہو؛ اس لیے یہ صراحت نقل کرنے کے بعد صاحب ''نقش دوام'' معاً یہ وضاحت بھی کرتے ہیں کہ موصوف (حضرت مدنی) کا یہ ارشاد اپنی حد تک ان کی معروف منکسر المزاجی کا آئینہ دار ہے ورنہ۔۔۔ مسائل کے اطراف وجوانب پر حاوی ومبسوط تقریر وہ بھی فرماتے تھے۔ (نقش دوام ص:۱۴۹)

بہرحال یہ بات شہرت اور تواتر کو پہنچی ہے کہ علامہ کی درسی تقریریں مبسوط اور طویل ہوا کرتی تھیں، مولانا کاندھلویؒ کا بیان اس کے برعکس درسی تقریر کے موجز اور مختصر ہونے کا دعوی کرتا ہے، اس تعارض کے دفع میں درج ذیل باتیں راقم سطور کے ذہن میں آتی ہیں:

(الف) علامہ کی تقریر طویل تو ہوتی تھیں؛ مگر اطناب اور حشو وزوائد سے خالی ہوتیں تھیں، آپ اپنے دروس میں اپنے وسیع مطالعہ کا خلاصہ اور مغز پیش کرنے کے عادی تھے، یہی وجہ ہے کہ عام لوگوں کو اس کے سمجھنے میں دشواری پیش آتی تھی؛ مگر چوں کہ آپ کا مطالعہ بے حد وسیع تھا، جس کی وجہ

سے اس مطالعہ کا نچوڑ اور خلاصہ بھی باوجود خلاصہ ہونے کے طویل ہوجاتا تھا۔

علامہ بنوری کہتے ہیں:

آپ بحث کو پھیلانے کے اور تکرار الفاظ بجائے مشکلات کے حل پر زیادہ توجہ دیتے تھے، زیادہ سے زیادہ مواد کو سمیٹنے کی طرف کوشش کرتے، بیان وایضاح میں پھیلاؤ کو پسند نہ کرتے تھے، الفاظ کا ایجاز اور مواد کی کثرت تدریس وتالیف میں آپ کا مزاج بن گیا تھا، اسی لیے مولانا تھانوی کہا کرتے تھے کہ شاہ صاحب کے ایک ایک جملہ کی تشریح کے لیے رسالہ لکھا جاسکتا ہے (نفحۃ العنبر، ص: ۲۸۵)

(ب) دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ عام احادیث میں آپ جامع اور مختصر گفتگو کے عادی تھے؛ البتہ مشہور معرکۃ الآراء مباحث اور مسائل جو اپنے اندر دلائل وشواہد کی طویل الذیل تفصیلات رکھتے ہیں ان پر آپ کا معمول لمبی گفتگو کا تھا۔

(ج) آپ کے مشائخ درس میں حدیث کے متعلقات ہی کے مختصراً حل پر توجہ دیتے تھے، دیگر علوم وفنون اور متعلق موضوعات سے تعرض نہیں کرتے تھے؛ مگر شاہ صاحب نے متنوع علوم وفنون کو زیر بحث لانا شروع کیا، جس سے آپ کی درسی تقریر آپ کے پیش رو مشائخ کی درسی تقریر سے طویل ہونے لگی؛ حالاں کہ فی نفسہ حدیث پر جو تقریر ہوتی تھی وہ بذات خود مختصر تھی۔

حرف آخر

سطور بالا میں اللہ کے فضل وکرم سے عنوان کے تینوں اجزاء ''علامہ کشمیری'' ''شرح حدیث منہج'' اور ''خصوصیات'' کے بارے میں ضروری گفتگو ہوگئی ہے، اور عنوان کا مرکزی جز ''منہج اور خصوصیات'' کے ضمن میں خاصی تفصیلات آگئی ہیں، علامہ کے منہج اور خصوصیات کے بارے میں متفرق مقامات پر جو چیزیں الگ الگ موجود تھیں، وہ تقریباً اس مقالے میں یکجا ہوگئی ہیں، احاطہ کا دعوی مجھ جیسے بے بضاعت اور کم سواد کے لیے تو ممکن نہیں؛ مگر اتنا کہنے میں تامل بھی نہیں کہ منہج وخصوصیات کے بارے میں تقریباً سبھی بنیادی باتیں اس تحریر میں جمع ہوگئیں ہیں، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اسے قبول فرمائے، اور ہمارے لیے حضرت کے علوم ومعارف، اور سیرت واخلاق سے استفادہ آسان فرمائے۔ آمین!

❋ ❋ ❋

شب برأت — فضائل واحکام

بہ قلم: مفتی توقیر عالم قاسمی
سابق معین مدرس، دارالعلوم دیوبند

اللہ تبارک وتعالی نے بعض راتوں کو خاص فضیلت اور برتری عطا فرمائی ہے اور رحمت و برکت والی بنائی ہے، ان ہی میں سے ایک ''شب برأت'' ہے۔ پندرھویں شعبان کی رات کو ''شب برأت'' کہتے ہیں۔ یعنی وہ رات جس میں لوگوں کو جہنم سے بری (آزاد) کردیا جاتا ہے۔ اس رات اللہ تعالی بے شمار لوگوں کو جہنم سے آزادی اور خلاصی عطا فرماتا ہے؛ اس لیے اس رات کو شب برأت کہتے ہیں۔ اس کی فضیلت بہت سی احادیث شریفہ سے ثابت ہے۔ ہم یہاں سب سے پہلے اس سلسلے کی چند حدیثیں نقل کرتے ہیں۔

(۱) عن عائشةؓ قالَتْ: فَقَدْتُ النبيَّ صلَى اللّٰهُ عليه وسلّم ذاتَ ليلةٍ، فَخرجتُ أَطْلُبُهُ، فإذَا هُوَ بالبَقِيْعِ، رافعٌ رأسَه إلى السماءِ، فقال: ياعائشةُ! أكُنْتِ تَخافِينَ أن يَحِيْفَ اللّٰهُ عليكِ و رسولُه؟ قالتْ: قد قلتُ: وما بِيْ ذلكَ، ولٰكِنّي ظننتُ أنَّكَ أتيتَ بعضَ نِسَائِكَ، فقالَ: إنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يَنْزِلُ ليلةَ النصفِ مِن شعبانَ إلى السماءِ الدنيا، فيغفرُ مِن عددِ شعرِ غنمِ كلبٍ. (ابن ماجہ حدیث نمبر: ۱۳۸۹، باب ما جاء فی لیلۃ النصف من شعبان۔ ترمذی حدیث نمبر: ۷۳۹۔ مسند أحمد حدیث نمبر: ۲۶۰۱۸)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات (جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شب باشی کی باری میرے پاس تھی، درمیانِ شب جب میری آنکھ کھلی تو) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہیں پایا، تو آپ کو تلاش کرنے نکلی، اور آپ کو جنت البقیع قبرستان میں پایا، آپ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے، جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ کیا تو یہ گمان کرتی اور ڈرتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول تم پر ظلم کریں گے (تیری باری دوسرے کو دے کر) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا: مجھے اللہ اور رسول کے ساتھ خوف اور بدگمانی نہیں ہے؛ لیکن میں نے یہ گمان کیا کہ آپ میری باری میں اپنی دوسری بیوی کے پاس چلے گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالی پندرہ

شعبان کی رات سماءِ دنیا پر نازل ہوتا ہے اور قبیلۂ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد کے برابر لوگوں کی مغفرت فرمادیتا ہے۔

* بنوکلب عرب کا ایک بہت بڑا قبیلہ ہے جو سب سے زیادہ بکریاں پالتا تھا۔

(۲) عن معاذ بن جبلؓ عن النبیّ صلّی اللّٰہُ علیه وسلّم قال: یَطْلُعُ اللّٰہُ إلی خلقِه فی لیلةِ النصفِ مِن شعبانَ فیغفرُ لجمیعِ الخلقِ إلّا لمشركٍ أو مُشَاحِنٍ. (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر:۵۶۶۵۔ وعلی ھامشہ: حدیث صحیح بشواہدہ، رجالہ ثقات إلا أن فیہ انقطاعاً، مکحول لم یلق عامر بن یخامر)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالی نصف شعبان کی رات اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے، پس تمام مخلوق کی مغفرت فرمادیتا ہے، مگر مشرک اور مسلمانوں سے دشمنی کرنے والا، حاسد کی مغفرت نہیں فرماتا ہے۔

(۳) عن أبی موسی الأشعریؓ عن رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم قالَ: إن اللّٰہَ لیطلعُ فی لیلةِ النصفِ من شعبانَ، فیغفرُ لجمیعِ خلقِه إلّا لمشركٍ أو مُشَاحِنٍ. (ابن ماجہ حدیث نمبر:۱۳۹۰، باب ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان)

وفی روایة مسند أحمد: یطلعُ اللّٰہُ عزّ وجَلَّ إلی خلقِه لیلةَ النصفِ مِن شعبانَ فیغفرُ لعبادِہ إلّا لإثْنَیْنِ مُشَاحِنٍ أو قاتلِ نفسٍ. (حدیث نمبر:۶۶۴۲)

ترجمہ: حضرت ابوموسی اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالی نصف شعبان کی رات اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے، پس تمام مخلوق کی مغفرت اور بخشش فرمادیتا ہے؛ مگر مشرک اور مسلمانوں سے دشمنی کرنے والا، حاسد کی مغفرت نہیں فرماتا ہے۔

(۴) عن عثمانَ بنِ أبی العاصِ عن النّبیّ صلّی اللّٰہُ علیه وسلّم قال: إذا کانَ لیلةُ النصفِ من شعبانَ نَادَی منادٍ: هَلْ مِن مُسْتَغْفِرٍ فأغفرَله، هَلْ مِن سائلٍ فأُعْطِیَهُ، فَلَا یَسْئَلُ أَحَدٌ شیئًا إلَّا أُعْطِیَ، إلَّا زانیةٌ بِفَرَجِهَا، أو مشركٌ. (شعب الإیمان للبیہقی حدیث نمبر:۳۵۵۵)

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابو العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب پندرھویں شعبان کی رات ہوتی ہے تو ایک پکارنے والا (اللہ تعالی) پکارتا ہے کہ ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا جس کی میں مغفرت کروں، ہے کوئی مانگنے والا جس کو میں عطا کروں، پس کوئی بھی آدمی کسی چیز کا سوال نہیں کرتا؛ مگر اس کو وہ چیز عطا کی جاتی ہے۔

(۵) عن علیؓ عن النّبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم قال: إذا کانَ لیلةُ النصفِ مِن شعبانَ فَقُوْمُوْا لَیْلَهَا وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا، فَإِنَّ اللّٰہَ یَنْزِلُ فِیْهَا لِغُرُوْبِ الشمسِ إلی سماءِ الدنیا، فیقولُ: أَلَا مِنْ مُستغفرٍ لِیْ فأغفرَله؟ أَلَا مُسترزقٍ فَأَرْزُقَهُ؟ أَلَا مُبْتَلًی فَأُعَافِیَهُ؟ أَلَا کَذَا، أَلَا کَذَا۔ حتی

يَطْلُعَ الفجرُ. (ابن ماجہ حدیث نمبر:۱۳۸۸، باب ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب نصف شعبان کی رات ہوتو تم اس رات میں عبادت کرو اور دن میں روزہ رکھو؛ اس لیے کہ اللہ تعالی اس رات میں سورج غروب ہونے کے بعد سمائے دنیا پر نازل ہوتا ہے اور فرماتا ہے کہ کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے، جس کی میں مغفرت کروں؟ ہے کوئی روزی مانگنے والا جس کو میں روزی عطا کروں، ہے کوئی مبتلائے مصیبت جس کو میں عافیت بخشوں اور ہے کوئی ایسا اور ایسا اور اللہ تعالی کی طرف سے یہ پکار آتی رہتی ہے، یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہوجائے۔

(۶) عن أبی ثعلبةَ الخُشَنِیؓ قالَ: قالَ رسولُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم: إنَّ اللّٰہَ یطلعُ علی عبادِہ لیلةَ النصفِ مِن شعبانَ فیغفرُ للمؤمنینَ، ویُمْلِیْ الکافرینَ، وَیَدَعُ أهلَ الحِقْدِ بِحِقْدِهِمْ حتّی یَدَعُوْہُ. (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر:۵۳۹)

ترجمہ: حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی پندرھویں شعبان کی رات اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے، پس مومنوں کی مغفرت فرمادیتا ہے اور کافروں کو اس کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے اور حسد کرنے والے کو اس کے حسد کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے، اس کی مغفرت نہیں فرماتا ہے؛ جب تک کہ وہ حسد کرنا ترک نہ کردے۔

(۷) عن کثیرِ بنِ مرةَ الحضرمیؓ عن النّبی صلّی اللّٰہُ علیه وسلّم قال: فی لیلةِ النصفِ مِن شعبانَ یغفرُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ لأهلِ الأرضِ إلّا المشرکَ أو المُشاحِنَ. (شعب الإیمان للبیہقی حدیث نمبر:۳۵۵۰۔ مصنف ابن أبی شیبۃ حدیث نمبر:۲۹۸۵۹)

ترجمہ: حضرت کثیر بن مُرّہ حضرمیؓ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پندرھویں شعبان کی رات اللہ تبارک وتعالی زمین والے (مومنوں) کی مغفرت فرمادیتا ہے؛ مگر مشرک اور لوگوں سے دشمنی کرنے والا، حاسد کی مغفرت نہیں فرماتا ہے۔

(۸) عن عائشةؓ أنَّ النبی صلّی اللّٰہ علیه وسلّم قال: أتانِی جبریلُ علیه السلامُ فقالَ: هذه لیلةُ النصفِ مِن شعبانَ، وللّٰہِ فیها عتقاءُ من النارِ بعددِ شعورِ غنمِ کلبٍ، ولا ینظرُ اللّٰہُ فیها إلی مشرکٍ، ولا إلی مُشاحِنٍ، ولا إلی قاطعِ رَحِمٍ، ولا إلی مُسْبِلٍ، ولا إلی عَاقٍ لِوَالِدَیْه، وَلا إلی مُدْمِنِ خَمْرٍ. (شعب الایمان للبیہقی حدیث نمبر:۳۵۵۶)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ نصف شعبان کی رات ہے، اللہ تعالی اس رات میں قبیلۂ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد کے برابر لوگوں کو جہنم سے آزاد فرمادیتا ہے اور اللہ تعالی اس رات

میں رحمت کی نظر نہیں فرماتا ہے مشرک کی طرف، نہ حاسد کی طرف، نہ قطع رحمی کرنے والے کی طرف، نہ ٹخنے سے نیچے لنگی یا بائجامہ لٹکانے والے کی طرف، نہ والدین کی نافرمانی کرنے والے کی طرف اور نہ شراب پینے والے کی طرف۔ یعنی اللہ تعالی ان افراد کی مغفرت نہیں فرماتا۔

(۹) عن عائشةؓ قالت: قامَ رسولُ اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم من الليلِ يُصلّى، فأطالَ السجودَ، حتى ظَنَنْتُ أنّه قَدْ قُبِضَ، فلمّا رأيتُ ذلكَ قمتُ حتى حَرَّكْتُ إبْهَامَه، فَتَحَرَّكَ، فَرَجَعْتُ، فلمّا رَفَعَ رأسَه مِن السجودِ، وَفَرَغَ من صلاتِه قالَ: يا عائشةُ! أو يَا حُمَيْرَاءُ! ظَنَنْتِ أنَّ النبيّ قَدْ خَاسَ بِكِ؟ قلتُ: لَا، وَاللّٰهِ، يا رسولَ اللّٰهِ! ولكِنّي ظَنَنْتُ أنَّكَ قَدْ قُبِضْتَ لِطولِ سجودِكَ، فقالَ: أتَدْرِيْنَ، أيَّ ليلةٍ هذه؟ قلتُ: اللّٰهُ وَرسولُه أعْلَمُ! قالَ: هذه ليلةُ النصفِ من شعبانَ، إنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يطلعُ على عبادِه فى ليلةِ النصفِ مِن شعبانَ، فيغفرُ للمُسْتَغْفِرِيْنَ، ويرحمُ المُسْتَرْحِمِيْنَ، ويُؤَخِّرُ أهلَ الحِقْدِ كَمَا هُمْ۔ رواه البيهقى فى شعب الإيمان ، وقال: هذامرسل جيد. (حدیث نمبر:۳۵۵۴، باب ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر سے اٹھ کر کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے؛ چناں چہ آپ نے لمبا سجدہ کیا، یعنی بہت دیر تک سجدہ میں رہے؛ یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ آپ کا انتقال ہوگیا، جب میں نے یہ دیکھا تو میں کھڑی ہوئی، یہاں تک کہ میں نے آپ کے انگوٹھے کو ہلایا، تو اس میں حرکت ہوئی، تب میں لوٹ کر بستر پر آگئی، پھر جب آپ نے سجدے سے سر اٹھایا اور نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اے عائشہ! یا فرمایا: اے حمیراء! کیا تو نے یہ گمان کیا کہ نبی نے تیرے حق ادا کرنے میں کوتاہی کی، تیرا حق ادا نہیں کیا؟ میں نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم، یا رسول اللہ! لیکن آپ کے لمبے سجدے کی وجہ سے مجھے یہ گمان ہوا کہ آپ کا انتقال ہوگیا، آپ نے فرمایا: کیا تم جانتی ہو یہ کون سی رات ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ یہ نصف شعبان کی رات ہے، اللہ تبارک وتعالی نصف شعبان کی رات میں اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے، پس مغفرت طلب کرنے والوں کی مغفرت فرماتا ہے اور رحم چاہنے والوں پر رحم فرماتا ہے اور کینہ اور حسد کرنے والوں کو ان کی اپنی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔ یعنی ان کی مغفرت نہیں فرماتا ہے۔

شب برأت سے متعلق مذکورہ بالا احادیث سے درج ذیل چیزیں اور باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) اللہ تعالی اس رات اپنی مخلوق کی طرف خاص توجہ اور رحمت کی نظر فرماتا ہے۔

(۲) کثیر تعداد میں لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

(۳) لوگوں کو کثیر تعداد میں جہنم سے آزاد کرتا ہے۔

(۴) مغفرت چاہنے والے کی مغفرت فرماتا ہے۔

(۵) سوال کرنے والے کو عطا فرماتا ہے۔

(۶) رزق طلب کرنے والے کو رزق عطا فرماتا ہے۔

(۷) رحم طلب کرنے والے پر رحم فرماتا ہے۔

(۸) مبتلائے مصیبت کو عافیت بخشتا ہے۔

(۹) اس رات آپ علیہ الصلاۃ والسلام جنت البقیع قبرستان تشریف لے گئے تھے؛ اس لیے اس رات میں قبرستان جانا اور میتوں اور خاص کر اپنے آباء واجداد اور عزیز واقارب کے لیے ایصالِ ثواب اور دعاءِ مغفرت کرنی چاہیے۔

لیکن چوں کہ آپ کا صرف ایک مرتبہ قبرستان جانا ثابت ہے؛ اس لیے زندگی میں ایک دو مرتبہ قبرستان جانے سے اس سنت پر عمل ہوجائے گا۔ ہر بار اس کا التزام نہ کرے۔

(۱۰) شب برأت کے اگلے دن روزہ رکھنا۔

(۱۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس رات عبادت کا اہتمام فرمانا اور شب بیداری کر کے عبادت میں مشغول ہونا۔

اس بابرکت رات میں رحمتِ خداوندی سے محروم اشخاص

مذکورہ بالا حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس بابرکت رات میں اللہ تعالی کی رحمت کے عام ہونے کے باوجود درج ذیل افراد رحمت ومغفرتِ خداوندی سے محروم رہتے ہیں:

(۱) مشرک (۲) مسلمان سے دشمنی رکھنے والا (۳) خودکشی کرنے والا (۴) زنا کار (۵) مسلمان سے کینہ رکھنے والا (۶) حسد کرنے والا (۷) قطع رحمی کرنے والا (۸) والدین کی نافرمانی کرنے والا (۹) شراب پینے والا (۱۰) ٹخنے سے نیچے لنگی یا پائجامہ یا جبہ پہننے والا۔

شب برأت میں اس سال مرنے والوں کی فہرست ملک الموت کو حوالے کی جاتی ہے

(۱۰) عن عائشةؓ أنَّ النَّبِيّ صلّى اللّٰهُ عليه وسلَّم كَانَ يَصُوْمُ شعبانَ كُلَّه، قَالَتْ: قلتُ: يا رسولَ اللّٰهِ! أَحَبُّ الشهورِ إليكَ أَنْ تصومَه شعبانُ؟ قالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَكْتُبُ على كلِّ نفسٍ ميّتةٍ تلكَ السنةَ، فَأُحِبُّ أَنْ يَأْتِيَنِيْ أَجَلِيْ وَأَنَا صَائِمٌ. (مسند أبي يعلى الموصلي حديث نمبر: ۴۹۱۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پورا شعبان روزہ رکھتے تھے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے نزدیک تمام مہینوں میں سب سے پسندیدہ مہینہ جس میں آپ روزہ رکھتے ہیں، شعبان کا مہینہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالی اس سال میں مرنے والے ہر آدمی کا نام لکھ دیتا ہے (اس سال مرنے والے تمام افراد کے ناموں کی فہرست اللہ تبارک وتعالی ملک الموت کو حوالے فرماتا ہے)؛ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ میری موت کا پیغام اس وقت حوالہ کیا جائے

جب میں روزے سے رہوں۔

حضرت عطاء بن یسارؒ سے روایت ہے کہ جب پندرھویں شعبان کی رات ہوتی ہے تو ملک الموت کو ایک صحیفہ (رجسٹر) دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس صحیفے میں جن کا نام ہے ان کی روح قبض کرو، پس بندہ پودا لگاتا ہے، نکاح کرتا ہے، عمارت بناتا ہے؛ حالاں کہ اس کا نام مرنے والوں کی فہرست میں لکھ دیا گیا ہے، ملک الموت حکم کے مطابق اس کی روح قبض کرنے کا انتظار کررہا ہے۔

لہٰذا اے وہ شخص جو لمبی امید کے ساتھ دھوکے میں پڑا ہوا ہے اور اپنے سوءِ عمل پر مسرور ہے! اپنی موت سے ڈر، تو نہیں جانتا کہ موت کب آدھمکے گی اور کب اچانک تو مرجائے گا۔ (لطائف المعارف لابن رجب، المجلس الثانی فی نصف شعبان)

ملاعلی قاریؒ مشکاۃ کی شرح مرقاۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

شعبان کی پندرھویں شب میں لوگوں کے سالِ گذشتہ کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں، جس طرح اس رات میں وہ تمام چیزیں لکھی جاتی ہیں جو آنے والے سال میں وقوع پذیر ہوں گی؛ اسی لیے آپ علیہ السلام نے فرمایا: قُوْمُوْا لَیْلَهَا وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا" اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ عبادت والے سال کا اول وآغاز شعبان کے نصف اخیر کا اول ہو اور وہ رمضان کی تزیین کی ابتدا ہے۔ (مرقاۃ: ۴۸۶/، کتاب الصوم، باب صیام التطوع، تحت حدیث رقم: ۲۰۵۶)

شب برأت میں قبولیتِ دعا کی خوش خبری

(۱۰) عن ابنِ عمرؓ: خمسُ لَیَالٍ لَاتُرَدُّ فِیْهِنَّ الدعاءُ، لیلةُ الجمعةِ، وأوّلُ لیلةٍ مِنْ رَجَبَ، ولیلةُ النصفِ مِن شعبانَ، ولَیْلَتَیْ العِیْدَیْنِ. (مصنف عبدالرزاق، رقم: ۷۹۲۷)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ پانچ راتیں ایسی ہیں جن میں دعا رد نہیں ہوتی، ان راتوں میں کی گئی دعائیں مقبول ہوتی ہیں، وہ پانچ راتیں یہ ہیں: جمعہ کی رات، ماہ رجب کی پہلی رات، پندرھویں شعبان کی رات اور عیدین کی رات۔

قال الشافعیؒ: بَلَغَنَا أَنَّ الدعاءَ یُسْتَجَابُ فِی خمسِ لیالٍ، لیلةُ الجمعةِ، والعیدینِ، وأوّلُ رَجَبَ، ونصفُ شعبانَ.

وقال: وَأَسْتَحِبُّ کُلَّ مَا حُکِیَتْ فِی هذه اللَّیالِیْ. (لطائف المعارف لابن رجب: المجلس الثانی فی نصف شعبان)

ترجمہ: حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ تک (سند کے ساتھ) یہ بات پہنچی ہے کہ پانچ راتوں میں دعا قبول ہوتی ہے: جمعہ کی رات، عید کی رات، بقرہ عید کی رات، ماہ رجب کی پہلی رات اور نصف شعبان کی رات۔

اورانہوں نے فرمایا کہ میں ان راتوں میں ان اعمال کو مستحب سمجھتا ہوں جن کا کرنا ان راتوں میں منقول ہے۔

شب برأت میں عبادت کی فضیلت

(۱) قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلّى اللّٰه عليه وسلّم: مَنْ أَحْيَا ليلةَ العيدِ وليلةَ النصفِ مِنْ شعبانَ لَمْ يَمُتْ قلبُه يومَ تَمُوْتُ القلوبُ. (معجم ابن الأعرابی حدیث نمبر:۲۱۹۴)

ترجمہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے عید کی رات اور پندرھویں شعبان کی رات کو زندہ کیا (عبادت کرنے کے ذریعہ) اس کا دل اس دن نہیں مرے گا جس دن سارے دل مرجائیں گے۔ یعنی نزع کے وقت اس کا دل متحیر نہیں ہوگا، نہیں گھبرائے گا، اور نہ قبر میں اور نہ قیامت کے دن اس کا دل متحیر ہوگا۔

(۲) البحر الرائق میں ہے:

ومِن المندوباتِ إحياءُ ليالی العشرِ من رمضانَ، وليلتی العيدينِ، ولَيالِی عشرِ ذی الحجّةِ، وليلةِ النصفِ من شعبانَ، كَمَا وَرَدَتْ به الأحاديثُ، وذَكَرَهَا فِی الترغيب والترهيبِ مُفَصَّلَةً. والمرادُ بإحياءِ الليلِ قيامُه، وظاهرُه الإستيعابُ، ويَجوزُ أَنْ يُرَادَ غَالِبُه. (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل، الصلاۃ المسنونۃ کل یوم)

ترجمہ: اور رمضان کے اخیر عشرے کی راتوں، عیدین کی راتوں، ذی الحجہ کے عشرۂ اول کی راتوں اور نصف شعبان کی رات کا قیام یعنی ان میں بیدار رہ کر عبادت کرنا مستحبات میں سے ہے، جیسا کہ اس بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں، جن کو الترغیب والترہیب میں ذکر کیا ہے اور یہ قیام خواہ پوری رات عبادت کے ذریعہ ہو، یا رات کا اکثر حصہ جاگ کر عبادت کے ذریعے۔

(۳) درمختار میں ہے:

ومِن المندوباتِ ركعتا السفرِ.... وإحياءُ ليلةِ العيدينِ، والنصفِ من شعبانَ، والعشرِ الأخيرِ مِن رمضانَ، والأوَّلُ مِن ذِی الحجّةِ، ويكونُ بِكُلِّ عبادةٍ تَعُمُّ الليلَ أو أكثرَه. (درمختار، باب الوتر والنوافل)۔

ترجمہ: عیدین کی رات، نصف شعبان کی رات، رمضان کے اخیر عشرہ کی راتوں اور ذی الحجہ کے عشرۂ اول کی راتوں کا قیام یعنی ان میں بیدار رہ کر عبادت کرنا مستحبات میں سے ہے۔ اور یہ ہر اس عبادت سے حاصل ہوگا جو پوری رات یا رات کے اکثر حصہ کو عام ہو۔

(۴) مراقی الفلاح میں ہے:

ونَدُبَ إحياءُ ليلةِ النصفِ مِن شعبانَ؛ لأنّهَا تُكَفِّرُ ذنوبَ السنةِ. وقالَ عليه الصلاةُ

والسلامُ: مَنْ قامَ ليلةَ النصفِ مِن شعبانَ وليلتَي العيدينِ لم يَمُتْ قلبُه يومَ تَمُوْتُ القلوبُ. ومعنى القيامِ أَنْ يَكُوْنَ مَشْتَغِلاً مُعَظَّمَ الليلِ بطاعةٍ، وقِيْلَ بساعةٍ مِنْهُ.

وفي حاشيةِ الطحطاوِيْ: (قوله لم يمت قلبه الخ): قالَ بعضُهُمْ لَمْ يَمُتْ قلبُه أَيْ لَايَتَحَيَّرُ قلبُه عندَ النزعِ، وَلَافِي القبرِ، وَلَا فِي القيامةِ، كَذَا فِي الشرحِ. (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص:۴۰۰،۴۰۱)۔

ترجمہ: پندرھویں شعبان کی رات کا قیام یعنی جاگ کر عبادت کرنا مستحب ہے؛ اس لیے کہ یہ ایک سال کے گناہوں کے لیے کفارہ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے نصف شعبان کی رات میں قیام کیا یعنی عبادت میں رات گزاری، اس کا دل اس دن نہیں مرے گا جس دن سارے دل مرجائیں گے۔ یعنی نزع کے وقت اس کا دل متحیر نہیں ہوگا، نہیں گھبرائے گا، اور نہ قبر میں اور نہ قیامت کے دن اس کا دل متحیر ہوگا۔

شب برأت میں کیے جانے والے اعمال اور عبادت

شب برأت میں بیدار رہ کر اور جاگ کر، خواہ پوری رات ہو، یا رات کا اکثر حصہ ہو، درج ذیل عبادت واعمال کرنا چاہیے:

تنہا تنہا نفل نماز پڑھے، اس کے لیے کوئی خاص تعداد رکعت نہیں ہے اور نہ اس کے لیے کوئی خاص سورت کی قرأت ہے، جتنی رکعت ہو سکے نفل کی نیت سے پڑھے اور جونسی سورت ہو پڑھے۔ قرآن کریم کی تلاوت کرے، یا کسی سے قرآن کی تلاوت سنے۔ حدیث پڑھے یا کسی سے سنے۔ تسبیح یعنی سبحان اللہ پڑھے۔ تحمید یعنی الحمد للہ پڑھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھے۔ دعا کرے۔ توبہ واستغفار کرے۔ اور سب سے اچھی دعا جو شبِ برأت میں مانگے، وہ یہ ہے:

"اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ، تُحِبُّ الْعَفْوَ، فَاعْفُ عَنَّا".

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

وفي الإمداد: ويحصلُ القيامُ بالصلاةِ نفلاً فُرَادَى مِن غيرِ عددٍ مخصوصٍ، وبقرأةِ القرآنِ، والأحاديثِ وسماعِها، وبالتسبيحِ والثناءِ، والصلاةِ والسلامِ علَى النَّبِي صلّى اللّٰه عليه وسلَّم. الحاصلُ ذلكَ فِي مُعَظَّمِ الليلِ، وقيل بساعةٍ منه. (شامی، باب الوتر والنوافل، مطلب فی إحیاء لیالی العیدین الخ)۔

وفي مراقِي الفلاحِ: ومعنى القيامِ أنْ يكونَ مشتغلاً مُعظّمَ الليلِ وقيلَ بساعةٍ منه يقرأُ، أويسمعُ القرآنَ، أو الحديثَ، أويسبّحُ، أويصلّي علي النّبي صلّى اللّٰه عليه وسلَّم. وفي حاشيةِ الطحطاوي: قوله (يقرأ، يسمع) أو يَدْعُوْا، وأحسنُ ما يدعُوْ به "اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ

كَريمٌ، تُحبُّ العفوَ، فاعْفُ عَنَّا". (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص:۴۰۱)۔

پندرھویں شعبان کا روزہ

یہ بات حدیث اور روایتوں سے ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزہ رکھتے تھے، ہر مہینے کے ایام بیض یعنی ۱۳، ۱۴، ۱۵/ تاریخ کو روزہ رکھتے تھے اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ شب برأت کے اگلے دن روزہ رکھا کرو؛ اس لیے شب برأت کے بعد والے دن یعنی پندرہویں شعبان کو روزہ رکھنا مستحب ہوگا۔

اور ابن ماجہ کی حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے؛ لیکن فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث کو محدثین اور علماء اصول حدیث نے قبول کیا ہے اور معتبر مانا ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ تحریر فرماتے ہیں:

شب برأت کی فضیلت کی روایات اگرچہ باعتبار سند کے ضعف سے کوئی خالی نہیں؛ لیکن تعدد طرق اور تعدد روایات سے ان کو ایک طرح کی قوت حاصل ہو جاتی ہے؛ اس لیے بہت سے مشائخ نے ان کو قبول کیا ہے؛ کیوں کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف روایات پر عمل کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔ (معارف القرآن:۷/۵۸۷)۔

اور فتاوی دارالعلوم:۶/۵۰۰ میں ہے:

حدیث شریف میں وارد ہے کہ شعبان کی پندرھویں شب کو بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہو اور پندرھویں تاریخ کا روزہ رکھو، پس پندرھویں شعبان کا روزہ مستحب ہے، اگر کوئی رکھے تو ثواب ہے اور نہ رکھے تو کچھ حرج نہیں۔

شب برأت میں عبادت کے لیے مسجد میں لوگوں کا جمع ہونا مکروہ

شب برأت کی نفل نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، ہر آدمی اپنی نماز تنہا تنہا پڑھے، اسی طرح اس رات میں عبادت جیسے نماز، ذکر و تسبیح اور دعا کے لیے لوگوں کو مسجد میں یا کسی ہال وغیرہ میں بلا کر جمع اور اکٹھا کرنا اور اجتماعی شکل میں عبادت کرنا مکروہ تحریمی اور بدعت ہے؛ البتہ اگر لوگ مسجد یا ہال میں خود بخود آئیں اپنی نماز تنہا تنہا پڑھیں اور اپنی عبادت میں تنہا تنہا مشغول رہیں تو جائز ہے؛ مکروہ نہیں ہے۔ ملاحظہ کیجیے فقہا اور فتاوی کی عبارتیں:

شامی میں ہے: ويُكرهُ الإجتماعُ على إحياءِ ليلةٍ من هذه الليالِي فى المساجِدِ، وَصَرَّحَ بذلكَ فى الحاوِى القُدُسِى. (شامی، باب الوتر والنوافل، مطلب فی إحیاء لیالی العیدین الخ)

یعنی شب برأت اور فضائل والی راتوں میں قیام یعنی عبادت و نماز کے لیے مساجد میں جمع ہونا مکروہ ہے۔

اور البحر الرائق میں ہے:

ویُکرہُ الإجتماعُ علی إحیاءِ لیلةٍ مِن ھذہ اللیالِی فی المساجدِ، قَال فی الحاوِی القُدسِی: ولایُصلّی تَطَوُّعٌ بجماعةٍ غیرَ التراویحِ، وما رُوِیَ الصلاۃُ فی الأوقاتِ الشریفةِ کلیلةِ القدرِ، ولیلةِ النصفِ من شعبانَ، ولیلتی العیدینِ، وعرفةَ، والجمعةِ وغیرِھا، تُصَلَّی فُرَادَی. (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل، الصلاۃ المسنونۃ کل یوم)۔

یعنی شب برأت اور فضائل والی راتوں میں قیام یعنی عبادت ونماز کے لیے مساجد میں جمع ہونا مکروہ ہے۔ الحاوی القدسی نامی کتاب میں ہے کہ تراویح کے علاوہ کوئی نماز جماعت سے نہیں پڑھی جائے گی اور جن اوقات مبارکہ میں نماز پڑھنے کی روایت آئی ہے، جیسے شب قدر، شب برأت، عیدین کی راتیں، عرفہ کی رات اور جمعہ وغیرہ کی رات، ان میں نماز تنہا تنہا پڑھی جائے گی۔

اور مراقی الفلاح: ص: ۴۹۲ میں اس کو بدعت لکھا ہے:

ویُکرہُ الإجتماعُ علی إحیاءِ لیلةٍ مِن ھذہ اللیالی المتقدم ذِکْرُھَا، فی المساجدِ، وغیرِھا؛ لأنّہ لم یفعلْہ النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم، ولا أصحابُہ، فَأَنْکَرَہُ أکثرُ العلماءِ مِن أھلِ الحجازِ، منھم عطا وابنُ أبی مُلَیْکَةَ و فقھاءُ اھلِ المدینةِ، وأصحابُ مالکٍ وغیرُہ، وقالُوا: ذلکَ کُلّہ بدعةٌ.

یعنی شب برأت اور فضائل والی مذکورہ راتوں میں قیام یعنی عبادت ونماز کے لیے مساجد وغیرہ میں جمع ہونا مکروہ ہے؛ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایسا نہیں کیا ہے۔ پس اہلِ حجاز میں سے اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ہے جیسے عطا، ابن ابی ملیکہ، فقہاءِ اہلِ مدینہ اور اصحابِ مالک وغیرہ۔ اور ان حضرات نے فرمایا کہ یہ سب بدعت ہیں۔

اور ابن رجب حنبلیؒ اپنی کتاب لطائف المعارف میں تحریر فرماتے ہیں:

ولیلةُ النصفِ من شعبانَ کانَ التابعونَ من أھلِ الشامِ کخالدِ بنِ معدانَ ولقمانَ بنِ عامرٍ وغیرِھم، یُعَظِّمُوْنَھَا، ویَجتھدونَ فیھا فی العبادةِ. ویکرہُ الإجتماعُ فیھا فی المساجدِ للصلاۃِ والقِصَصِ والدعاءِ، ولایکرَہُ أنْ یُصَلِّی الرجلُ فیھا لخاصةِ نفسِہ، وھذا قولُ الأوزاعِی إمامِ أھلِ الشامِ وفَقِیْھِھِمْ وعالِمِھم، وھذا ھو الصوابُ، إنْ شاءَ اللّٰہُ. (لطائف المعارف لابن رجب الحنبلیؒ، المجلس الثانی فی نصف شعبان)۔

ترجمہ: شب برأت کی، اہلِ شام میں سے تابعینؒ جیسے خالد بن معدانؒ اور لقمان بن عامرؒ وغیرہ تعظیم کرتے تھے اور اس میں عبادت کرنے میں خوب مجاہدہ کرتے تھے۔

اور شب برأت میں نماز، قصے کہانیاں سنانے اور دعا کے لیے مساجد میں لوگوں کا اکٹھا ہونا مکروہ

ہے؛ لیکن مساجد میں اپنی نماز تنہا تنہا پڑھنا مکروہ نہیں، یہ اہلِ شام کے فقیہ وعالم، امام اوزاعیؒ کا قول ہے، اور یہی صحیح ودرست ہے۔ ان شاء اللہ

اور فتاوی محمودیہ جلد:۳، صفحہ:۲۷۰ میں ہے:

شب برأت کی عبادت کے لیے مساجد میں جمع ہونا مکروہ اور بدعت ہے، مراقی الفلاح میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اور صفحہ ۲۷۲ میں ہے: اس شب میں مسجد وغیرہ میں جمع ہونا اور اجتماعی حیثیت سے نوافل وتلاوت میں مشغول رہنا ثابت نہیں؛ بلکہ مکروہ اور بدعت ہے: وَيُكْرَهُ الإجتماعُ على إحياءِ ليلةٍ من هذه الليالِي فى المساجدِ وغيرِه؛ لأنَّه لم يَفْعَلْه النّبيُّ صلّى اللّٰه عليه وسلَّم ولا أصحابُه، فَأَنْكَرَهُ أكثرُ العلماءِ، وقالُوا: ذلكَ كلّه بدعةٌ. مراقى الفلاح. (فتاوی محمودیہ:۳/۲۷۰، ۲۷۲)

شب برأت میں قبروں پر روشنی کرنا اور اگربتی جلانا

مسئلہ: شب برأت میں قبروں پر روشنی کرنا، موم بتی اور اگربتی جلانا رسمِ جاہلیت ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔ (فتاوی محمودیہ:۳/۲۵۸)۔

شب برأت میں آتش بازی، چراغاں

مسئلہ: شب برأت میں آتش بازی کرنا، پٹاخے چھوڑنا، مسجدوں یا گھروں میں چراغاں کرنا، ضرورت سے زیادہ روشنی کرنا' بدعت، ناجائز اور گناہ ہے۔

سید محمد امین ابن عابدین شامیؒ کی کتاب ''تنقیح الفتاوی الحامدیۃ'' جلد نمبر:۲، صفحہ نمبر:۳۵۹ میں لکھا ہے:

مِنَ البِدَعِ المنكرةِ ما يُفْعَلُ فى كثيرٍ من البلدانِ مِن إيقادِ القناديلِ الكثيرةِ العظيمةِ، والسَرَفِ فى ليالٍ معروفةٍ من السنةِ كليلةِ النصفِ مِن شعبانَ، فيحصلُ بذلكَ مفاسدُ كثيرةٌ: منها مُضَاهاةُ المجوسِ فى الإعتناءِ بالنارِ فى الإكثارِ منها، ومنها إضاعةُ المالِ فى غيرِ وجهِه، ومنها ما يترتّبُ على ذلكَ مِن المفاسدِ ... وفى شرحِ المهذّبِ للإمامِ النوويؒ: وصَرَّحَ أئمتُنا الأعلامؒ بأنّه لايجوزُ أنْ يُزَادَ على سراجِ مسجدٍ، سواءٌ كانَ فى شهرِ رمضانَ أو غيرِه؛ لأنّ فيه إسرافاً كما فى الذخيرةِ وغيرِها. (تنقيح الفتاوى الحامدية، فوائد ومسائل شتى من الحظر والإباحة، مطلب من البدع المنكرة إيقاد القناديل الكثيرة: ۲/۳۵۹، المطبعة الميمنية مصر).

مذکورہ بالا عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اکثر شہروں میں جو رواج ہوگیا ہے کہ سال کے متبرک مخصوص راتوں جیسے پندرہ شعبان کی رات میں چراغاں کیا جاتا ہے اور اس میں بے تحاشا مال خرچ کیا جاتا ہے، یہ بدعت اور ناجائز ہے؛ کیوں کہ اس میں بہت سی خرابیاں ہیں، مثلاً آتش پرستوں کے ساتھ مشابہت ہے اور بلاوجہ حلال مال کو ضائع کرنا ہے۔ اور امام نوویؒ نے شرح مہذب میں لکھا ہے: مسجد میں جو چراغ

بقدر ضرورت جلایا جاتا ہے اس سے زائد جلانا جائز نہیں، خواہ رمضان میں جلایا جائے یا غیر رمضان میں؛ اس لیے کہ اس میں اسراف اور فضول خرچی ہے۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنویؒ اپنی کتاب ''نفع المفتی والسائل'' میں تحریر فرماتے ہیں:

الإستفسارُ: إسراجُ السرجِ الكثيرةِ الزائد عن الحاجةِ ليلةَ البرأةِ أو ليلةَ القدرِ فى الأسواقِ، والمساجدِ، كما تَعَارَفَ فى أمصارِنا، هل يجوزُ؟.

الإستبشارُ: هو بدعةٌ، كذا فى خزانةِ الرواياتِ عن القنيةِ۔ (نفع المفتی والسائل، کتاب الحظر والإباحۃ، المتفرقات- بحوالہ فتاوی محمودیہ:۳/۲۶۰-۲۶۳)۔

سوال: کیا بازاروں اور مساجد میں ضرورت سے زائد چراغ جلانا اور روشنی کرنا شب برأت اور لیلۃ القدر میں جیسا کہ ہمارے علاقے اور شہروں میں رواج ہوگیا ہے، جائز ہے؟۔

جواب: یہ بدعت ہے۔

شب برأت میں حلوہ پکانا

جو چیز شرعاً ضروری نہ ہو اس کو ضروری سمجھنا اور امر مباح کے ساتھ واجب یا سنت جیسا معاملہ کرنا درست نہیں ہے، اس سے وہ چیز مکروہ ہوجاتی ہے۔ لہذا شب برأت یا پندرھویں شعبان کے دن میں حلوہ پکانے کا التزام مکروہ اور رسمِ بد ہے؛ اس لیے شبِ برأت کے حلوے سے منع کیا جاتا ہے۔

كُلُّ مُبَاحٍ يُؤَدِّىٰ إلى زعمِ الجُهّالِ سُنِّيَةِ أمرٍ أو وجوبِه فهو مكروهٌ كتعيينِ السورةِ للصلاةِ وتعيينِ قرأةِ موقّتٍ. كذا فى التنقيح الحامدية. (فتاوی محمودیہ:۳/۲۶۸)۔

اس رات میں حلوہ بنانے پر اصرار، التزام واہتمام اور فاتحہ کسی دلیل سے ثابت نہیں، اگر یہ چیزیں ثواب ہوتیں تو ضرور کتاب وسنت، اجماع اور قیاسِ مجتہدین سے ثابت ہوتیں، جب ثابت نہیں تو پھر ان کو ثواب اور دین کا کام سمجھنا بدعت اور قابلِ رد ہے: من أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد. متفق عليه. (مشکاۃ المصابیح: ص:۲۷، باب الإعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الأول۔ فتاوی محمودیہ:۳/۲۵۴)

اس رات کی قدر کرتے ہوئے عبادت میں گزارے

بہر حال اس برکت والی رات کو غفلت ولاپرواہی، رسومات وبدعات، اور اِدھر اُدھر کے خرافاتی اعمال میں گزارنے سے بالکلیہ اجتناب واحتراز کرنا چاہیے اور اس کو نماز، ذکر، تسبیح، تلاوت، دُرود، دعا اور توبہ واستغفار کے ذریعہ قیمتی بنانا چاہیے اور کم از کم رات کا ایک حصہ یکسوئی کے ساتھ ربِ کائنات کی عبادت میں خلوص اور دل جمعی کے ساتھ گزارنا چاہیے۔ اللہ تعالی ہر قسم کے اعمالِ خیر کی توفیق عطا فرمائے! آمین!

❋ ❋ ❋

یہودیوں کی شرارت اور عذاب الٰہی تاریخ کے آئینہ میں

از: مفتی امداد الحق بختیار قاسمی
استاذ حدیث وافتاء دارالعلوم حیدرآباد

قرآن کریم نے پچھلی تمام امتوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ قوم یہود کا تذکرہ کیا ہے، ان کی شرارتوں، گندے کرتوتوں اور ان پر اللہ تعالی کے عتاب اور عذاب کی تفصیل قرآن میں بیان کی گئی ہے، حضرت موسی علیہ السلام جو ان کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیے گئے، ان کے زمانے میں بھی اور ان کے بعد بھی اس قوم کی شرارتوں اور خباثتوں کا سلسلہ دراز رہا؛ چنانچہ خود حضرت موسی علیہ السلام سے انھوں نے بت بنادینے کا مطالبہ کیا، جیسا کہ نویں پارے میں ہے کہ جب اللہ تعالی نے انھیں فرعون سے نجات دی اور یہ دریا پار کر گئے، اور انھوں نے ایک بت پرست قوم کو دیکھا تو موسی علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے لیے بھی کوئی ایسا بُت بنادیں، جس کی ہم عبادت کریں (سورہ اعراف: ۱۴۸)، اسی طرح موسی علیہ السلام جب چالیس دن کے لیے کوہ طور پر تشریف لے گئے، تو ان کی غیر موجود میں انھوں نے بچھڑے کی عبادت شروع کردی، اور ہارون علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کردیا، جس کی پاداش میں اللہ تعالی نے ان کی توبہ یہ مقرر کی کہ جتنے لوگ بُت پرستی میں مبتلا ہوئے تھے، ان سب کو وہ لوگ قتل کریں، جو اس شرک میں شامل نہیں تھے۔ (سورہ بقرہ: ۵۴)۔

حضرت موسی علیہ السلام کوہ طور سے جب تورات لے تشریف لائے تو انھوں نے پہلے اس کے من جانب اللہ ہونے کا انکار کردیا، اور کہا کہ جب تک اللہ تعالی ہم سے آمنے سامنے خود نہیں کہتا، ہم نہیں مانیں گے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اس پر بھی ان کی پکڑ ہوئی اور انھیں عبرت حاصل ہوئی (سورہ نساء: ۱۵۳)؛ لیکن پھر اس کے بعد انھوں نے بہانے بنائے کہ اس کے احکام سخت ہیں، ہم عمل نہیں کرسکتے، تو اللہ تعالی نے ان پر پہاڑ کو معلق کردیا کہ یا تو عمل کرو یا پھر اس پہاڑ کو تم سب پر گرادیا

جائے گا۔ (سورہ بقرہ:۹۳)

بعدِازاں جب اللہ تعالی کی طرف سے حکم ہوا کہ بیت المقدس کو فتح کرنے کے لیے جنگ کے لیے تیار ہوجائیں تو انھوں نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا کہ اے موسی آپ اور آپ کے اللہ جائیں لڑیں، ہم یہیں بیٹھے رہیں گے، جس پر چالیس سال تک ''میدان تیہ'' میں سزا کے طور پر یہ بھٹکتے رہے۔ (سورہ مائدہ:۴۵-۴۶)

ان کے اندر ہٹ دھرمی، شرارت، بغاوت اور خباثت اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ انھوں نے خود اپنے بہت سے انبیاء اور اولیاء اللہ کو قتل کیا، حضرت عیسی علیہ السلام کے قتل کا اقدام کیا، گستاخی اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ خود اپنے معبود کے بارے میں نازیبا کلمات استعمال کرتے ہیں: کہیں اللہ تعالی کو بخیل اور کہیں اللہ تعالی کے لیے فقیر تک کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ (سورہ آل عمران:۱۸۱، سورہ مائدہ:۶۴)۔

سودخوری، جھوٹ، فریب اور منافقت ان کی شرست میں پیوست ہے، ان کی انھیں شرارتوں اور بغاوتوں کی وجہ سے اللہ تعالی نے متعدد مرتبہ انھیں عبرت ناک سزا دی، چنانچہ اللہ تعالی اپنی کتاب کے ذریعہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَقَضَيْنَا إِلَى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ فِيْ الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِيْ الأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوّاً كَبِيْراً(٤) فَإِذَا جَاء وَعْدُ أُولاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَاداً لَّنَا أُوْلِيْ بَأْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُواْ خِلاَلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْداً مَّفْعُولاً (٥) ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِيْنَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيْراً (٦) إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا جَاء وَعْدُ الآخِرَةِ لِيَسُوؤُواْ وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُواْ الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُواْ مَا عَلَوْاْ تَتْبِيْراً(٧) عَسَى رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِيْنَ حَصِيْراً(٨).

ترجمہ: ہم نے کتاب (تورات) میں بنی اسرائیل سے پختہ طور پر یہ بات کہہ دی تھی کہ تم دنیا میں دو بار فساد مچاؤ گے اور بڑی سرکشی کرو گے؛ چنانچہ جب ان دو میں سے پہلی میعاد آئی تو ہم نے اپنا سخت جنگ جو بندہ ان پر مسلط کر دیا، جو ان کے ملک اور گھروں کے اندر تک گھس گیا اور یہ ایسا وعدہ تھا جو ضرور ہو کر رہنا تھا، پھر ہم نے تمہیں ان پر دوبارہ غلبہ عطا کیا، اور مال اور بیٹوں کے ذریعہ تمہاری مدد کی، اور تمہاری تعداد میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ اگر تم اچھا کام کرو گے تو اپنے لیے کرو گے اور بُرا کرو گے تو اپنے لیے۔ پھر جب دوسری میعاد آئی (تو ہم نے ان پر اپنا ایک بندہ مسلط کیا) تاکہ وہ ان

کے چہروں پر ہوائیاں اُڑا دے، اور پہلے کی طرف مسجد (اقصیٰ) میں داخل ہو جائے، اور جہاں جہاں قدرت پائے بڑی غارت گری کرے۔ امید ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے؛ لیکن اگر تم دوبارہ (شرارت) کرو گے، تو ہم بھی دوبارہ (تمہارا مواخذہ کریں) گے۔ (اور آخرت میں تو) ہم نے کافروں کے لیے جہنم کا حصار تیار کر رکھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں ان آیتوں میں درج واقعات کی تفصیل بیان فرمائی ہے:

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا کہ بیت المقدس اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی عظیم القدر مسجد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ دنیا کے سب گھروں میں ایک ممتاز عظمت والا گھر ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے سلیمان بن داؤد (علیہما السلام) کے لیے سونے چاندی اور جواہرات، یاقوت وزمرد سے بنایا تھا اور یہ اس طرح کہ جب سلیمان (علیہ السلام) نے اس کی تعمیر شروع کی تو حق تعالیٰ نے جنات کو ان کے تابع کر دیا، جنات نے یہ تمام جواہرات، سونے اور چاندی جمع کر کے ان سے مسجد بنائی۔ حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ پھر بیت المقدس سے یہ سونا چاندی اور جواہرات کہاں اور کس طرح گئے؟ تو رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور گناہوں اور بداعمالیوں میں مبتلا ہو گئے، انبیاء (علیہم السلام) کو قتل کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر بادشاہ کو مسلط کر دیا، جو مجوسی تھا، اس نے سات سو برس بیت المقدس پر حکومت کی اور قرآن کریم میں (آیت) فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ. سے یہی واقعہ مراد ہے۔ بخت نصر کا لشکر مسجد قدس میں داخل ہوا، مردوں کو قتل اور عورتوں، بچوں کو قید کیا اور بیت المقدس کے تمام اموال اور سونے چاندی جواہرات کو ایک لاکھ ستر ہزار گاڑیوں میں بھر کر لے گیا اور اپنے ملک بابل میں رکھ لیا اور سو برس تک ان بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا کر طرح طرح کی بامشقت خدمت ذلت کے ساتھ ان سے لیتا رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کو اس کے مقابلے کے لیے کھڑا کر دیا، جس نے بابل کو فتح کیا اور باقی ماندہ بنی اسرائیل کو بخت نصر کی قید سے آزاد کرایا اور جتنے اموال وہ بیت المقدس سے لایا تھا، وہ سب واپس بیت المقدس میں پہنچا دیا اور پھر بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اگر تم پھر نافرمانی اور گناہوں کی طرف لوٹ جاؤ گے تو ہم بھی پھر قتل وقید کا عذاب تم پر لوٹا دیں گے۔ آیت قرآنی (آیت) عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ، وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا سے یہی مراد ہے۔

پھر جب بنی اسرائیل بیت المقدس میں لوٹ آئے (اور سب اموال وسامان بھی قبضہ میں

آ گیا) تو پھر معاصی اور بداعمالیوں کی طرف لوٹ گئے۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر شاہ روم قیصر کو مسلط کر دیا (آیت) فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوْءُا وُجُوْهَكُمْ سے یہی مراد ہے۔شاہ روم نے ان لوگوں سے بری اور بحری دونوں راستوں پر جنگ کی اور بہت سے لوگوں کو قتل اور قید کیا اور پھر تمام اموالِ بیت المقدس کو ایک لاکھ ستر ہزار گاڑیوں پر لاد کر لے گئے اور اپنے کنیسۃ الذہب میں رکھ دیا۔ یہ سب اموال ابھی تک وہیں ہیں اور وہیں رہیں گے؛ یہاں تک کہ حضرت مہدی تشریف لائیں گے، پھر ان کو بیت المقدس میں ایک لاکھ ستر ہزار کشتیوں میں واپس لائینگے اور اسی جگہ اللہ تعالیٰ تمام اولین وآخرین کو جمع کر دیں گے۔(تفسیر قرطبی، دارالکتب المصریہ، قاہرہ، اشاعت دوم (۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۷ء) ج ۱۰،ص ۲۲۲-۲۲۳)

جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی، اور یہود مایوس ہوگئے کہ نبی آخر الزماں ان کی قوم بنی اسرائیل سے نہیں ہوئے، اور بنی اسرائیل میں نبوت اور رسالت کا سلسلہ ختم ہوگیا، تو بغض، عدوات اور حسد سے ان کا کلیجہ پھٹنے لگا اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ، صحابہؓ اور اسلام کے خلاف سازشیں کرنی شروع کر دیں، ان سازشوں کی شدت، بڑے اور خطرناک پیمانہ پر ان کا عملی ظہور اس وقت سے شروع ہوا، جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، مدینہ کے اطراف میں ان کے تین بڑے قبیلے رہتے تھے: (۱) بنونضیر (۲) بنوقریظہ (۳) بنوقینقاع۔ ان تینوں کی غداری، بدعہدی، نفاق اور سازشوں کی قلعی قرآن کریم نے کھول دی ہے، جس کی پاداش میں ان میں سے بہت سوں کو تہِ تیغ کیا گیا، بہت سوں کو گرفتار کیا گیا اور ایک بڑی تعداد کو جلاوطنی کی سزا دی گئی، جس کے بعد یہ خیبر میں جمع ہونے لگے اور وہاں بھی اپنی خباثت اور حق کے خلاف سازشوں سے باز نہیں آئے تو پھر ان پر چڑھائی کر کے، انھیں جزیہ دے کر رہنے پر مجبور کیا گیا۔

اس باغیِ خدا اور مخالفِ حق قوم کی شرارتوں اور خباثتوں کی وجہ سے اللہ تعالی نے اسے "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ"، "ملعون"، "ذلیل" اور "فقیر" قوم قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں قرآن کریم میں پیشین گوئی کر دی گئی ہے کہ اللہ کا غضب، لعنت، اللہ کی طرف سے ذلت اور فقر قیامت تک اس قوم کے ساتھ چمٹا رہے گا؛ ارشاد باری ہے:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآؤُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللّهِ وَيَقْتُلُونَ الأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ(۱۱۲)

ترجمہ: ان پر ذلت کی مار رہے گی؛ چاہے وہ جہاں بھی رہیں؛ الّا یہ کہ وہ اللہ کی رسّی کو تھامیں یا لوگوں کا سہارا لیں، اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق رہیں گے، اور ان پر فقر کی مار رہے گی، اور یہ سب اس لیے کہ انھوں نے اللہ کے احکام کا انکار کیا، انبیاء کو ناحق قتل کیا، اور اس لیے کہ انھوں نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کیا۔ (سورہ آل عمران)

ان پر اللہ تعالی کا غضب اور اس کی لعنت ہر وقت نازل ہوتی ہے اور اسی وجہ سے یہ قوم ہمیشہ ذلیل وخوار ہوتی رہی ہے، اسلام سے پہلے بھی اس قوم کو دنیا کے کسی خطہ میں نہ عزت مل سکی اور نہ سکون حاصل ہوسکا، جہاں بھی رہے محکوم، ماتحت اور غلام بن کر رہے۔ ہر جگہ انھیں مارا گیا، وہاں سے بھگایا گیا، اسلام کے بعد بھی مخالفت اور عناد کی وجہ سے ذلت والی زندگی ہی ہاتھ آئی؛ حتی کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں انھیں خیبر سے بھی نکال کر، جزیرۃ العرب سے باہر بھگا دیا گیا، اس کے بعد بھی یہ قوم اپنی بدطینتی اور بدباطنی کی وجہ سے ہمیشہ اور ہر جگہ ذلیل وخوار اور مغلوب ومقہور ہوتی رہی۔ جرمنی کے ہٹلر نے ان کے ساتھ جو سلوک کیا، وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔

البتہ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد مقبوضہ فلسطین میں اسلام دشمن عیسائیوں کے تعاون سے ''اسرائیل'' کے نام سے ایک ''ناجائز ریاست'' قائم کی؛ جہاں ان کی کچھ ظاہری اجتماعیت، کچھ طاقت، کچھ امن اور کچھ خوش حالی نظر آتی ہے؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن کی پیشین گوئی اب صادق نہیں آرہی ہے اور اس قوم سے ذلت اور مسکنت ختم ہوگئی ہے، ہرگز نہیں! یہ قوم قیامت تک ذلیل وخوار رہے گی؛ جن لوگوں کے سامنے عالمی تاریخ اور عالمی منظر نامہ ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ ''قومی سطح'' پر دنیا کی تمام قوموں کے مقابلہ میں یہ قوم اس وقت بھی سب سے زیادہ غریب ہے؛ اگرچہ اس قوم کے بعض افراد کے پاس بیشمار دولت ہے؛ لیکن وہ انفرادی ہے، قومی اعتبار سے نہیں ہے۔ نیز دنیا کی تمام قوموں کے درمیان اس وقت بھی یہ قوم سب سے زیادہ ذلیل قوم شماری کی جاتی ہے اور اس کی موجودہ ریاست اور حکومت کا راز یہ ہے:

کہ دنیا کی دیگر قوموں؛ بالخصوص عیسائیوں نے ان کی شرارتوں سے تنگ آکر، اور ان سے پیچھا چھڑانے کے لیے انھیں فلسطین میں لاکر جمع کردیا؛ تاکہ یہ سب یہیں رہیں اور وہ (عیسائی) ان کی خباثتوں اور سازشوں سے مامون ومحفوظ رہ سکیں اور عیسائی اپنی اس ناجائز، خبیث اور شریر اولاد کی پرورش بھی کرتے ہیں، ہر موقع پر اس کا تعاون کرتے ہیں؛ تاکہ وہ وہیں پر رہیں۔

چنانچہ اسرائیل کی موجودہ ریاست کا وجود بھی مغرب کی وفاداری اور اس کی بیساکھی کے سہارے

قائم ہے، اگر مغربی ممالک اس سے اپنا ہاتھ کھینچ لیں، تو بیت المقدس کی مبارک سرزمین پر لگے اس ''صہیونی داغ'' کو مٹنے میں شاید ایک سال کا بھی عرصہ نہ لگے؛ لیکن اس کا وجود اپنے مغربی آقاؤں کے رحم وکرم پر کھڑا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ اس کی موجودہ حالت بھی ذلت کی حالت ہی ہے۔

اسرائیلی اسٹیٹ کے لیے اسلام دشمن طاقتوں نے فلسطین کے خطہ کا انتخاب اس لیے کیا؛ تاکہ وہ عرب ممالک کے بیچ اور عربوں کے جسم میں ''اسرائیل'' کی شکل میں کینسر پیدا کرسکیں، جس کینسر سے عرب میں ہمیشہ کشیدگی کی فضا چھائی رہے، نہ عربوں کا اتحاد ہوسکے اور نہ انھیں امن وسکون مل سکے، جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ کبھی متحد ہوکر، اسلام دشمن طاقتوں کے بارے میں کوئی صحیح موقف اختیار نہیں کرسکتے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق، اس قوم کے ایک خطہ میں جمع ہونے کے پیچھے تکوینی راز یہ ہے کہ قیامت کے قریب جب حضرت عیسی علیہ السلام تشریف لائیں گے، اور وہ یہودیوں کو قتل کریں گے، تو یہ سب یا ان کی بڑی مقدار حضرت عیسی علیہ السلام کو ایک جگہ ہی مل جائے گی اور یہیں انھیں کیفر کردار تک پہنچادیا جائے گا؛ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی ریاست تشکیل نہیں دے رہے ہیں؛ بلکہ اپنا مقتل تیار کررہے ہیں؛ جہاں وہ قتل کیے جائیں گے؛ چنانچہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں اس قوم کے بارے میں پیشین گوئی کی ہے:

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ(١٦٧).

ترجمہ: اور آپ کا رب آپ کو یقینی خبر دیتا ہے کہ وہ ان (یہودیوں) پر قیامت تک ایسے لوگ مسلط کرتا رہے گا، جو انھیں بری سزا دے، یقیناً آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور غفور رحیم بھی ہے۔ (سورہ اعراف)

اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کی شرارتوں کی وجہ سے ہر زمانے میں اللہ تعالی ان پر کسی نہ کسی بندے کو مسلط کرتا رہے گا، جو انھیں سزا دے گا اور ذلیل وخوار کرے گا، جس کے آخری سلسلے کے طور پر حضرت عیسی علیہ السلام ان سب کو قتل کریں گے؛ لہٰذا یہ اپنے ہاتھوں اپنی ہی قتل گاہ، اسرائیلی ریاست کی شکل میں تعمیر کررہے ہیں۔

اللہ تعالی اس خبیث قوم کی شرارتوں، سازشوں اور ناپاک عزائم سے پوری امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین!

''تذکرۃ الرشید'' کا علمی وادبی مطالعہ

(۲/۲)

بقلم: ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی
مدرس دارالعلوم دیوبند

دوسری جلد کی ابتداء

تذکرۃ الرشید کی دوسری جلد کی ابتداء میں سوانح نگار نے سب سے پہلے آٹھ اشعار لکھے ہیں، ان میں اپنے پیرومرشد کی مدح سرائی اور سوانح لکھنے کی تمہید بیان ہوئی ہے، عربی زبان میں حمد وثنا ہے، پھر اپنی ذات کے سلسلے میں متواضعانہ کلمات ہیں۔

طریقت

ان سب کے بعد آپ نے سلوک واحسان اور طریقت وشریعت پر گفتگو فرمائی ہے، ظاہر وباطن کی تعمیر کو سلوک بتایا ہے، اسی کو تصوف بھی کہا جاتا ہے، قلب کے اعتدال کو نسبت سے تعبیر کیا ہے۔

غرض یہ کہ تقریباً اٹھائیس صفحات میں اصلاح ظاہر وباطن پر گفتگو مرکوز ہے، حضرت گنگوہی کے تھانہ بھون میں رہ کر حضرت حاجی صاحب سے تربیت حاصل کرنے کی تفصیل بھی ہے (تذکرۃ الرشید ۲/۷)۔

عُرس سے نفرت

حضرت گنگوہیؒ کو عرس سے شدید تکلیف ہوتی تھی، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اگرچہ آپ کے جدامجد تھے گیارہویں پشت پر آپ کا نسب ان سے ملتا ہے؛ مگر جس زمانے میں عرس ہوتا تھا، آپ کو بڑی تکلیف ہوتی تھی، عرس کے زمانے میں اپنے مریدوں کے وہاں آنے کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے، بھیڑ میں اضافے کا سبب بننا بھی برداشت نہ تھا۔ (تذکرۃ الرشید ۲/۹)۔

اخلاق واوصاف

تقریباً بیس بائیس صفحات پر آپ نے اخلاق واوصاف کے عنوان سے تقریر فرمائی ہے، اخلاق کی تعریف بھی بڑے اچھے انداز میں کی ہے، ظاہری ترکیب کا نام خَلق اور روحانی ترکیب کا نام خُلق بتایا ہے۔ (تذکرۃ الرشید ۲/۲۹)۔

علم، غضب، شہوت اور عقل میں اعتدال کو نہایت ہی اچھے پیرائے میں سمجھایا ہے، ہر ایک کی مثال دی

ہے، مقصد یہ ہے کہ یہ ساری صفات حضرت گنگوہیؒ میں معتدل انداز میں موجود تھیں، یہی ان کا کمال تھا۔

حرمین کی ہر چیز سے محبت

حضرت گنگوہیؒ کو حرمین شریفین کی ہر چیز سے محبت تھی، کہتے کہ اس کو مدینے کی ہوا لگی ہے۔ اگر کوئی زیارتِ حرمین سے واپس آکر کوئی چیز خدمت میں پیش کرتا تو آپ اس کو بڑے ہی احترام سے قبول فرماتے، استعمال فرماتے اور اہلِ مجلس کو بھی محظوظ کرتے۔

مدینے کی کھجوڑ کی گٹھلیاں پسوا کر رکھتے

حضرت گنگوہیؒ کو مدینے کی کھجور مل جاتی تو اس کو کھاتے اور گٹھلیوں کو جمع رکھتے، اُسے پسوا کر ڈبیہ میں بند کر کے رکھتے اور کبھی کبھی سفوف پھانک لیتے تھے۔ (تذکرۃ الرشید ۲/ ۴۸)۔

عربی تاریخ سے محبت

حضرت گنگوہیؒ عربی ہجری تاریخ اور مہینوں کو ہی لکھتے تھے، انگریزی تاریخ لکھنا بھی آپ کے لیے گراں تھا۔ (ایضاً ۲/ ۵۰)۔

منطق وفلسفہ سے شدید نفرت

آپ کو منطق وفلسفہ سے شدید نفرت تھی۔ (ایضاً ۲/ ۵۰)۔

حسن صورت اور ادراک حواس

اس عنوان کے تحت سوانح نگار نے حضرت گنگوہیؒ کا حلیہ ذکر فرمایا ہے، ساتھ ہی حضرت نے حسِّ لطیف کو بھی بیان کیا ہے کہ آپ بڑے حساس طبیعت تھے، بینائی رخصت ہوجانے کے بعد بھی کسی کے آنے کی ہلکی آہٹ کو محسوس کر لیتے تھے، اگر کوئی تکیہ پر سر رکھ دیتا تو بھی اس کا اظہار فرماتے، مثلاً تکیہ سے بچے کی بو آرہی ہے۔

سوانح نگار نے ظاہری شکل وشباہت کے ساتھ خوش الحانی، خوش خطی کے ساتھ حسنِ بیان وخطاب کو بھی والہانہ انداز میں لکھا ہے، حضرت گنگوہی کی متانت وسنجیدگی کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے استغناء کا ذکر بھی فرمایا ہے؛ غرض یہ کہ اس عنوان کے تحت سات صفحات پر خامہ فرسائی کی ہے۔

عاداتِ مرضیہ اور معمولات

حضرت گنگوہیؒ کے اخلاق وعادات، لباس اور ذوق ومزاج کو اس عنوان کے تحت لکھا ہے، آپ کو خوش بو اور میٹھا پسند تھا، معمولات کو بیان کرنے کے لیے اس عنوان کے تحت دو بزرگوں کے بیان کو مستند مان کر نقل فرمایا ہے، ایک میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے تین صفحات (۶۲-۶۴) کے مضمون کو اور حضرت مولانا محمد اسحاق نہٹوریؒ کے بھی چار صفحات (۶۵-۶۸) پر مشتمل مضمون کو یہاں نقل فرمایا ہے؛ جب کہ اس سے پہلے مفتی اعظم حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ کے مضمون میں آپ کے

معمولات نقل کر چکے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید ۲/۲۰-۲۲)۔

آنکھ کا آپریشن نہ کرانے کی وجہ

حضرت گنگوہیؒ اخیر عمر میں نابینا ہوگئے تھے، نزلہ کی وجہ سے آنکھ میں پانی اتر آیا تھا، آپ کو ڈاکٹروں نے آپریشن کا مشورہ دیا، آپ نے اسے ٹال دیا اور مختلف انداز سے ٹالا؛ کبھی تو آپ نے یہ عذر کیا:

(۱) بوڑھا ہوگیا ہوں، صرف آنکھ ہی نہیں پورا جسم کمزور ہے، کس کا علاج کراؤں؟ اور کس کا نہ کراؤں؟ آپ ارشاد فرماتے:

''آدمی اپنے قُویٰ کو دیکھے، آنکھ ہی درست ہوکر کیا ہوگی؟''

(۲) کبھی یہ عذر بیان فرماتے کہ آنکھ بنوانے میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔

(۳) کبھی بیان فرماتے کہ نماز پڑھنا مشکل ہوجاتا ہے۔

جب ایک ڈاکٹر سبحان علی خاں سول سرجن نے اطمینان دلایا کہ حضرت آپ کی کوئی نماز قضا نہ ہوگی، فجر اور ظہر کے درمیان آپریشن ہوگا، رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں تو آپ نے اس طرح ٹالا کہ

(۴) ''پہلے آنکھ بند کرنی پڑتی تھی اور اب خود بند رہتی ہے۔'' یعنی یہ تو بہت اچھا ہے کہ آنکھ کے گناہ سے حفاظت ہوگئی، یکسوئی رہتی ہے، خلل نہیں ہوتا۔

(۵) کبھی یوں بیان فرماتے کہ آنکھ کے بغیر میرے کسی کام میں حرج بھی نہیں ہوتا تو خواہ مخواہ کیوں تکلیف اٹھاؤں؟

(۶) ایک بار کسی نے بہت اصرار کیا تو اصل حقیقت کو واضح فرمادیا کہ حدیث شریف میں ہے:

إذا ابْتَلَيْتُ عبدي بحبيبتيه فَصَبَرَ، عَوَّضْتُهُ مِنْهُما الجنةَ. (صحیح بخاری حدیث نمبر ۵۳۲۹)۔

ترجمہ: جب میں اپنے بندے (مسلمان) کو اس کی دونوں محبوب چیزوں (آنکھوں) کے سلسلے میں آزمائش کرتا ہوں (یعنی نابینا کردیتا ہوں) اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو ان دونوں کے بدلے میں اُسے جنت دیتا ہوں۔

اس کے بعد فرمایا:

''شاید یہی ایک ذریعہ حصول جنت ہو؛ اس لیے مجھے تو اندھا رہنا ہی پسند ہے۔''

جب حضرت کسی طرح راضی نہ ہوئے تو لوگوں نے اصرار کرنا چھوڑ دیا، ظاہر سی بات ہے کہ جنت ملنا آپریشن کے بعد بینائی سے یقیناً بہتر ہے؛ اس لیے آپ ہر ایک کو خاموش کرنے کا کوئی نہ کوئی جواب دے دیا کرتے تھے۔

اخذ بیعت

اس عنوان کے تحت بھی سوانح نگار نے کافی تفصیلی مواد جمع فرمایا ہے، صفحہ نمبر چوراسی سے ایک سو

اکاون تک پھیلا ہوا عنوان ہے، اس میں بھی سب سے پہلے چند اشعار لکھے ہیں پھر بیعت کی حقیقت وماہیت، فوائد اور شرائط کی بحث کی ہے، اس کے بعد حضرت گنگوہیؒ کے مزاج ومذاق کو سمجھایا ہے، مثلاً یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت طالب اصلاح باطن کی آزمائش بھی کرتے تھے، اگر مناسبت پاتے تو بیعت کرتے ورنہ ٹلا دیتے، اسی طرح حضرت طلبۂ علوم دینیہ کو بیعت نہیں کرتے تھے، اُن کے لیے طلب علم میں مصروف رہنے کو غنیمت بتاتے۔

ملکۂ بھوپال حلقۂ ارادت میں

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں اور خلفاء ومستفیدین کی تعداد تو سوانح نگار نے اگلے عنوان میں درج فرمائے ہیں؛ یہاں ملکۂ ریاست بھوپال محترمہ نواب سلطان جہاں بیگم کا ذکر انھوں نے قدرے تفصیل سے کیا ہے۔

محترمہ کا ارادہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت ہونے کا تھا کہ حج کا سفر ہوگا اور وہیں بیعت سے مشرف ہوں گی؛ مگر اتفاق سے حضرت حاجی صاحب کا انتقال آپ کے حج میں جانے سے پہلے ہوگیا۔

حاجی صاحب کی رحلت کے بعد ملکہ نے حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہونے کا ارادہ فرمایا؛ چنانچہ ۱۳۲۳ھ میں موصوفہ نے جناب قاضی محی الدین مرادآبادی (قاضی بھوپال) کو ایک خط لے کر حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں بھیجا، اس سے پہلے دو خط میر منصب علی صاحب کے ذریعہ بھیج چکی تھیں، حضرت گنگوہی نے خط کا جواب تحریر فرمایا، اس کا ایک حصہ ان الفاظ پر مشتمل تھا:

''.....اگر اصرار ہو تو دو شرط سے مجھے منظور ہے:

ایک یہ کہ میرے ساتھ قدیمی برتاؤ میں کوئی تفاوت نہ آوے اور میرے ساتھ کسی قسم کی مروت واحسان نہ ہو، دوسرے اس امر کا اظہار نہ ہو۔

اگر یہ دونوں امر منظور ہوں تو میں ان کی بیعت اس امر پر قبول کرتا ہوں کہ اتباعِ سنت اور اجتنابِ بدعت کو اپنا شعار رکھیں اور حق پرستی وعدل گستری وانصاف سے رعایا پروری میں مصروف رہیں۔'' (تذکرۃ الرشید ۲/۱۰۴)۔

یہ ۶؍ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ کی بات ہے، ملکہ بہت خوش ہوئیں اور یہ وہ زمانہ تھا جب ملکہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوکر واپس ہوئی تھیں، اس کے دو ماہ بعد حضرت گنگوہیؒ کی وفات ہوگئی، یعنی ۸؍جمادی الثانیہ ۱۳۲۴ھ کو حضرت اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔

سلاسلِ چشتیہ نقشبندیہ

اس خط کے بعد سوانح نگار نے سلاسل چشتیہ نقشبندیہ اور دیگر سلاسل کو صفحہ نمبر ایک سو پانچ سے ایک

سودس تک تفصیل سے لکھا ہے۔

تربیت کے واقعات

پھران واقعات کا ذکر ہے جو تربیت اور تزکیہ سے متعلق ہیں۔اہل ذوق کتاب کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔

فیصلۂ ہفت مسئلہ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے سات اختلافی مسائل کے سلسلہ میں ایک ایسی تحریر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے تیار کروائی جن میں بدعات وغیرہ کے سلسلے میں نرم گوشہ اختیار کیا گیا تھا، اس کو اپنے دستخط اور مہر سے مزین فرما کر حضرت گنگوہی کی خدمت میں ارسال فرمایا؛ اس لیے کہ آپ بدعات کے سلسلے میں کھلی تلوار تھے، آپ کو ایک لمحہ کے لیے بھی بدعت برداشت نہ تھی۔(تذکرۃ الرشید ۲/۱۴۵-۱۵۲)۔

جب یہ رسالہ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے فرمایا: اسے حمام میں جھونک دو! کسی نے عرض کیا: اپنے شیخ کا رسالہ حمام میں جھونک رہے ہیں، آپ نے فرمایا: ''شیخ کے ہاتھ پر ہم نے جو بیعت کی ہے وہ صرف تصوف میں کی ہے، فقہ میں نہیں کی، فقہ میں وہ ہمارے تابع ہیں۔(مجالس حکیم الاسلام ص ۹۲۱ مکتبہ تالیفات اولیاء، دیوبند)۔

حضرت تھانویؒ کی اصلاح

یہاں یہ بات واضح ہونا بھی ضروری ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی ابتداء میں بدعات کے سلسلے میں نرم گوشہ تھے، حضرت گنگوہیؒ کے بار بار مراسلات کے بعد آپ نے بدعات سے بالکلیہ قطع تعلق فرمایا۔ ان مراسلات کی تفصیل بھی سوانح نگار نے تذکرۃ الرشید میں نقل فرمائی ہے۔(تذکرۃ الرشید ۱/۱۱۴-۱۳۶)

خلفا ومستفیدین

یہ عنوان آٹھ صفحات (۱۵۲-۱۶۰) پر پھیلا ہوا ہے، اس میں حضرت گنگوہیؒ کے اکتیس خلفا کا ذکر ہے، ان کے علاوہ اُن بزرگوں کا بھی جنھوں نے حضرت سے استفادہ کیا تھا۔

معنوی کمالات

حضرت گنگوہیؒ کی ذاتی صلاحیت وخصوصیات میں بہت سی خصوصیات ایسی تھیں جو ان کو اپنے معاصرین میں ممتاز کرتی تھیں، ان سب کو یہاں ذکر کیا گیا ہے، معرفت وعبدیت، اتباعِ سنت تبرکات کی قدردانی، فہم شریعت میں اعتدال ومیانہ روی، صبر وتوکل، سچی تواضع اور انکساری، بدعات سے نفرت اور فتنوں سے دوری یہ سب ایسے اوصاف ہیں جو حضرت گنگوہیؒ کو دوسرے بہت سے اکابر سے ممتاز کرتے ہیں۔

مخالف کا احترام

حضرت گنگوہیؒ اختلاف کو اختلاف کی حد تک ہی رکھتے تھے اس کو ذاتی اور نفسیاتی چیز نہیں بناتے تھے، سوانح نگار نے اس کی ایک مثال لکھی ہے کہ ایک بار مولوی عبدالسمیع بے دل سہارن پوریؒ جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے خلیفہ تھے، تشریف لائے اور حضرت گنگوہی سے ملاقات کی تو آپ نے بڑی شفقت واکرام کا معاملہ کیا، فرمایا ''آج کسی وقت کا کھانا میرے یہاں کھایئے''! حالاں کہ یہ وہ زمانہ تھا جب مرحوم بے دلؔ نے بدعات کی طرف داری میں ایک رسالہ لکھا تھا، اس کا نام تھا: ''انوارِ ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ'' رکھا تھا اور اس کا جواب حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے ''براہین قاطعہ'' کے نام سے تحریر فرمایا تھا، اس کی طباعت حضرت گنگوہیؒ کی تصدیق کے بعد عمل میں آئی تھی۔

غرض یہ کہ مولانا بے دلؔ رُکے اور حضرت کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، ایسا خدشہ تھا کہ کہیں اختلافی مسائل چھڑ نہ جائیں؛ مگر حضرت نے اکرامِ ضیف میں کسی کا کوئی تذکرہ نہ فرمایا۔ (تذکرۃ الرشید ۱۸۲/۲، ۱۸۳)

حِسّی کرامات

سوانح نگار نے حضرت گنگوہیؒ کی کرامتوں کو بیان کرتے ہوئے ایک جامع تمہید تحریر فرمائی ہے:

''کرامت اس خرق عادت کا نام ہے جو متبع سنت کامل التقویٰ مؤمن سے صادر ہو، کرامت کے لیے ضروری نہیں کہ اُس ولی کو جو مظہر کرامت بنا ہے، اس کا علم بھی ہو اور نہ یہ لازم ہے کہ قصد وارادہ اس کے ساتھ متعلق ہو؛ پس کہیں علم وقصد دونوں ہوتے ہیں اور کہیں دونوں میں سے ایک بھی نہیں ہوتا اور کہیں علم ہوتا ہے اور قصد نہیں ہوتا۔'' (تذکرۃ الرشید، ص ۲۰۰)

آگے حضرت گنگوہیؒ کے بارے میں لکھا ہے:

''امام ربانی کی اصل کرامت آپ کے دل عرفان منزل کی وہ کیفیت راسخہ تھی جس نے آپ کو حق تعالیٰ شانہ کی رضا کا سچا طلب گار بنا دیا تھا، اسی کا ثمرہ تھا وہ اتباع سنت مصطفویہ، جس کے سانچے میں آپ کی عادات، اوضاع، اطوار غرض جملہ ضروریات گویا ڈھال دی گئی تھیں۔'' (تذکرۃ الرشید، ص ۲۰۰)

''حسی کرامات'' کے تحت، مرض سے شفا؛ جیل سے رہائی؛ کھانے میں برکات اور قبولیتِ دعا کے بہت سے خوارق درج ہیں۔ (تذکرۃ الرشید ۲/ ۲۱۷-۲۲۳)۔

ارشادات

اس عنوان کے تحت آپ کے قیمتی ملفوظات لکھے گئے ہیں:

(۱) آپ نے لکھا ہے کہ سالکین میں بعض ''ابوالوقت'' ہوتے ہیں جو باطنی کیفیات پر قابو یافتہ ہوتے ہیں جب چاہیں طاری کرلیں اور جب چاہیں دفع کردیں اور بعض ''ابن الوقت'' ہوتے ہیں جن پر حالت غالب رہتی ہے، دفع کی قوت اُن کے اندر نہیں ہوتی۔ (تذکرۃ الرشید۲/۲۳۱)۔

(۲) کسی نے حضرت شاہ اسحاق دہلویؒ سے سوال کیا: اولاد کی محبت ماں باپ کو زیادہ ہوتی ہے، اولاد کو اپنے ماں باپ سے اتنی محبت نہیں ہوتی تو آپ نے جواب دیا: جسم سے گوشت کی بوٹی کاٹ کر اگر دور ڈال دی جائے تو اس بوٹی کو کچھ تکلیف نہیں ہوتی، تکلیف اُسی جگہ کو ہوتی ہے جہاں سے بوٹی کاٹی گئی ہے۔ (تذکرۃ الرشید۲/۲۴۰)۔

گرونانک کے سلسلے میں ایک ملفوظ میں نظر

گرونانک کے سلسلے میں ایک ملفوظ اس طرح ہے: ''شاہ نانک جن کو سکھ بہت مانتے ہیں حضرت بابا فریدالدین شکرگنج کے خلفاء میں سے ہیں'' (تذکرۃ الرشید۲/۲۳۲)

یہ بات صحیح نہیں ہے، صحیح بات یہ ہے کہ گرونانک کو بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے بارہویں پُشت کے خلیفہ شیخ ابراہیم فرید چشتی کی صحبت ملی، انھیں کی تعلیم وتربیت سے وہ مقام فنافی اللہ میں پہنچ گئے تھے۔ (شرح کشف المحجوب تصنیف: حضرت سید بن عثمان ہجویریؒ، ترجمہ: مولانا الحاج کپتان واجد بخش سیال ص ۶۷-۶۹) ادبی دنیا دہلی ۲۰۰۷ء۔

البتہ ملفوظ کا اگلا حصہ بے غبار ہے: ''چوں کہ (گرونانک) اہل جذب سے تھے، اس وجہ سے ان کی حالت مشتبہ ہوگئی، مسلمانوں نے کچھ ان کی طرف توجہ نہ کی، سکھ اور دوسری قومیں کشف وکرامات دیکھ کر ان کو ماننے لگے۔'' (تذکرۃ الرشید۲/۲۳۲)۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سماع کے قائل نہیں تھے، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کو غلط خبر پہنچی

حضرت گنگوہیؒ نے اپنے جدامجد شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے بارے میں فرمایا کہ شیخ سماع کے قائل نہیں تھے، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اپنے رسالہ میں یا تو اس وجہ سے لکھا ہے کہ اُن کو غلط خبر پہنچی، یا ان کے بعد ان کے رسالے میں کسی نے یہ بات بڑھادی ہے۔ (تذکرۃ الرشید۲/۲۴۵)

صالحین کی حکایات

حضرت گنگوہیؒ اپنی مجلس میں صالحین کی حکایات بھی سنایا کرتے تھے، سوانح نگار نے زندگی کے اس پہلو کو بھی سوانح میں شامل فرمایا ہے، انھوں نے پچیس صفحات (۲۵۳-۲۷۷) میں دلچسپ واقعات لکھے ہیں، مرزا مظہر جان جاناں کی لطیف ونازک طبیعت کے واقعات زیادہ ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ اسماعیل شہید، شیخ شہاب الدین سہروردی، مولانا محمد اسحاق، مولانا محمد یعقوب،

حضرت بایزید بسطامی، حافظ ضامن شہید اور مولوی حسن رام پوری وغیرہ کی حکایات نقل کی گئی ہیں۔

ملفوظات

یہ عنوان پندرہ صفحات (ص ۲۷۷-۲۹۲) پر مشتمل ہے، اس میں حضرت گنگوہیؒ کے بہت سے فرمودات، حکایات، رد بدعات، فقہی مسائل وغیرہ لکھے ہوئے ہیں، مثلاً دُرودِ تاج کے بارے میں آپ نے فرمایا:

''اس جیسی دُرودیں لوگوں نے بنالی ہیں اور اسنادیں لکھ رکھی ہیں، ان کی کوئی اصلیت نہیں۔'' (تذکرۃ الرشید ۲/۲۸۰)

لطیفہ

حضرت گنگوہیؒ درس میں بہت بے تکلف رہتے تھے؛ تاکہ ہر طالب علم اپنے شبہات بلا تکلف پیش کرسکے، آپ نے ایک بار ایک پٹھان کا واقعہ سنایا جو سننے والوں کے لیے لطیفہ ہے:

''ایک پٹھان مسجد میں مراقبہ کررہا تھا، وہاں ایک آدمی خراٹے لے رہا تھا، اس نے منع کیا، نیند کھل گئی، خراٹا رک گیا، پھر نیند آئی، اس نے روکا، خراٹا رک گیا، پھر نیند آئی اور خراٹا چالو ہوگیا؛ پٹھان کو غصہ آیا، اس نے چھری لی اور گلا کاٹ دیا، بولا: ''ہمارے مراقبے میں حرج ڈالتا ہے، میں ذبح کردوں گا۔'' (تذکرۃ الرشید ۲/۲۸۳)۔

عملیات

تعویذ گنڈوں اور جھاڑ پھونک کو عملیات سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان میں بعض چیزیں اچھی اور جائز ہیں؛ جب کہ اس کا ایک حصہ خراب اور ناجائز ہے، تعویذ نہ تو بالکلیہ ناجائز ہے اور نہ ہی بالکلیہ جائز؛ خیرالقرون میں ان کی مثالیں تو ملتی ہیں؛ مگر اس کی کثرت نہیں ملتی اور پیشہ بنانے کا تصور تو تھا ہی نہیں، ہمارے زمانے میں یہ پیشہ بہت بدنام ہوگیا، غیر مقلدین نے بالکلیہ ناجائز کہا اور غلو پسندوں نے اس کو باضابطہ پیشہ بنالیا۔

حضرت گنگوہیؒ اس سلسلے میں بڑے معتدل تھے، ذاتی اور طبعی طور پر اس سے توحش؛ بلکہ تنفر تھا۔ اکثر جواب دیتے کہ بھائی مجھے عملیات آتے نہیں، عموماً تعویذ لینے والوں کے عقیدے کی اصلاح فرماتے کہ ان تعویذوں سے کچھ نہیں ہوتا، اصل اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، کبھی کسی نے ضد کی تو تعویذ دے بھی دیتے، ایک بار ایک صاحب کو تعویذ لکھ کر دیا، ان کا کام ہوگیا، جب کھول کر دیکھا گیا تو لکھا تھا:

''یاالٰہی! میں نہیں جانتا اور یہ نہیں مانتا، یہ تیرا بندہ اور غلام، تو جانے اور تیرا کام'' (تذکرۃ الرشید ۲/۲۹۵)۔

سوانح نگار نے آپ کے بہت سے مجربات نقل کیے ہیں، ان میں آیات وروایات بھی ہیں، آپ

کو ''حزب اعظم'' سے انس تھا، ''دلائل الخیرات'' کی اجازت بھی دیتے تھے، کسی نے وسعتِ رزق کے لیے سورۂ مزمل کی تحریری اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا: ''دنیا کے لیے قرآن پڑھنے کو میں پسند نہیں کرتا۔'' (تذکرۃ الرشید۲/۲۹۳)۔

مُبشّرات وشہادات

(۱) حضرت تھانویؒ نے ایک بار حضرت گنگوہیؒ کے مرتبۂ ولادت معلوم کرنے کا ارادہ فرمایا تو نیند اور بیداری کے درمیان دیکھا کہ ایک بڑے بزرگ نے آپ کو آکر کہا: یہ ''قطب الارشاد'' (مخلوق کی ہدایت کا کام لیے جانے والے بزرگ) ہیں، اس پر حضرت تھانوی کو اطمینان ہوا، ایک بار مفتی اعظم حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندی کو بھی یہی بتایا گیا۔ (تذکرۃ الرشید۲/۳۰۶، ۳۰۷)۔

(۲) بہت سے خواب حضرت گنگوہیؒ کے سلسلے میں لوگوں نے دیکھے ہیں؛ مثلاً علم کا بحرِ زخار ہونا، ولایت میں بلند مقام پر فائز ہونا وغیرہ۔

(۳) پنجاب کے ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت

خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ رشید احمد کے پاس جاؤ، اس کے پاس اخراجات نہ تھے، دوبارہ خواب دیکھا کہ ارشاد ہوا کہ انتظام ہوجائے گا؛ چناں چہ کوئی آیا اور پیسے دیے؛ لیکن گھر کے اخراجات نکالنے کے بعد وہ کم تھے، پھر خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مزید کا انتظام ہوجائے گا؛ چناں چہ وہ اپنے گھر سے چل پڑا، جب گنگوہ کے قریب پہنچا تو کسی اجنبی آدمی نے کچھ رقم دی اور غائب ہوگیا۔ (تذکرۃ الرشید۲/۳۱۴-۳۱۵)۔

(۴) اور بھی بہت سے خواب ہیں، جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے، اس پر حضرت گنگوہیؒ فرماتے تھے:

''دنیا میں تو میرے ساتھ یہ معاملے ہورہے ہیں، دیکھیے وہاں (آخرت میں) بھی کچھ ہے یا نہیں۔'' (تذکرۃ الرشید۲/۳۱۸)۔

(۵) مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ نے فرمایا:

''مولانا رشید احمد صاحب دریا پی گئے اور ڈکار تک نہیں لیا۔'' (تذکرۃ الرشید۲/۳۲۱)۔

مذکورہ بالا مبشرات وشہادات مثال کے طور پر پیش کیے گئے ہیں، سوانح نگار نے بہت سے مبشرات لکھے ہیں۔

ان سب کے بیان میں عقیدت اور جوشِ محبت کی جھلکیاں تو عیاں ہیں؛ لیکن بے جا مبالغہ سے تحریر پاک ہے، عموماً پیر کی سوانح لکھنے والا مرید حدِ اعتدال کو پار کرتا ہوا نظر آتا ہے، تذکرۃ الرشید حد سے نکلی ہوئی تعبیرات اور بے جا مبالغہ آرائی سے پاک ہے۔

''مرض وفات'' کا اسلوب واسوخت کی شان دار مثال

مولانا میرٹھیؒ کی زبان بڑی شان دار ہے، اس کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ اردو کی جائے پیدائش ہی ان کی جائے پیدائش ہے، آج بھی میرٹھ کی زبان میں بہت سے الفاظ، محاورات، امثال اور تراکیب ایسی ہیں جو دوسری جگہ کی زبان میں نہیں ملتیں، گویا اُن کا خمیر ہی فصاحت و بلاغت لے کر اٹھا ہے، دوسری وجہ ان کی محنت اور زبان وادب سے دلچسپی ہے کہ فارسی اور اردو کے اشعار ان کو خوب یاد ہیں، اساتذۂ فن کے دواوین انھوں نے از بر کر رکھے ہیں، اس کا اندازہ ان کے پیش کردہ برمحل اشعار سے ہر قاری کرسکتا ہے۔

تیسری وجہ ان کی کثرت نگاری ہے، وہ بہت زیادہ لکھنے کے عادی تھے۔ غرض یہ کہ ''مرض الوفات'' کے عنوان سے انھوں نے تذکرۃ الرشید کے اخیر میں جو مضمون لکھا ہے وہ بڑے غم ناک ماحول میں لکھا ہے، نثری اصناف میں ''واسوخت'' کی ساری خصوصیات اس کے اندر موجود ہے۔ غموں کی تعبیرات، تشبیہات اور استعارات نے زبان کو ادب کا شاہ کار بنادیا ہے، شروع میں چار مرثیائی اشعار ہیں، پھر لکھتے ہیں:

''ایک وقت تھا کہ آفتاب کمالات کے طلوع کا سماں بہ عنوان ولادت دکھلایا گیا تھا اور ایک وقت یہ ہے کہ ماہتابِ ولادت کے غروب کا تذکرۃ بہ عنوان وفات کیا جاتا ہے؛ زمانے کا انقلاب اور فلک کی گردش محتاج بیان نہیں، سچ ہے:

ہرآں کہ زاد بہ ناچار بایدش نوشید زجام دہر مئے کُلُّ مَنْ علیہا فان

(ترجمہ: جو بھی پیدا ہوا ہے اُسے خواہی نہ خواہی فنائیت کی شراب پینی پڑے گی زمین پر جو ہے وہ فنا ہونے والا ہے)۔

دنیا میں جو کوئی آیا وہ فنا ہونے کے لیے آیا اور جو کچھ پیدا ہوا وہ ایک دن مٹ جانے کے لیے پیدا ہوا، جو مٹنے سے پہلے اپنے آقائے وحدہ لاشریک کی طاعت میں مرمٹا ہو اس کی موت موت نہیں؛ بلکہ زندگی ہے۔

زندگانی نتواں گفت حیاتے کہ مراست زندہ آنست کہ بادوست وصالے دارد

(ہر زندگی کو جو مجھے ملی ہے زندگی نہیں کہہ سکتے زندہ تو وہ آدمی ہے جو دوست تک پہنچ رکھتا ہو)۔

(تذکرۃ الرشید۲/۳۲۵)

اہل تعلق کی ادبی نگارشات

حضرت گنگوہیؒ کے اہل تعلق نے وفات کے بعد بہت سی تحریریں لکھی ہیں، وہ تحریریں ادبی سرمایہ ہیں، ان سب کو نقل کرنا مشکل ہے؛ بلکہ ان سب کا تنقیدی تجزیہ پیش کرنا بھی مقالہ کی درازنفسی کا باعث

ہوگا؛ اس لیے اختصار کے ساتھ چند باتیں لکھی جاتی ہیں۔

ان میں اردو، فارسی اور عربی نظمیں ہیں، صنفی لحاظ سے یہ ''قصائد'' میں آتے ہیں کہ ان میں مرحوم کی خوبی بیان ہوئی ہے؛ جب کہ بعض میں ''مرثیہ'' کی خو بو موجود ہے۔

بعض حضرات نے تاریخی تخرجہ پر بھی خامہ فرسائی کی ہے، صوری اور معنوی مادّے نکالے ہیں، یہ بھی پُر لطف اور حیرت انگیز ہیں، حضرت شیخ الہندؒ نے "إنه في الآخرة لمن الصالحين" (۱۳۲۳ھ)، اور حضرت تھانویؒ نے مادۂ تاریخ نکالا وہ بھی پُر کشش ہے: "مولانا عَاشَ حميدًا مَاتَ شهيدًا" (۱۳۲۳ھ) اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ نے نکالا: "حَيٌّ دَخَلَ الجنةَ" (۱۳۲۳ھ)؛ ان کے علاوہ بہت سے اشعار بہت سے لوگوں نے لکھے ہیں، جن سے تاریخ نکل آتی ہے۔

حیرت انگیز تاریخی عربی نظم

وفات کے بعد حضرت مولانا حکیم مختار احمدؒ طبیب مظفر پور، بہار نے کہی تھی، اس کے بیس اشعار کے ہر مصرع سے حضرت گنگوہیؒ کا سالِ وفات (۱۳۲۳ھ) برآمد ہوتا ہے۔

حکیم صاحب حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد مولانا نور محمد پنجابیؒ کے شاگرد رشید تھے، دیگر علوم وفنون کے ساتھ تاریخ گوئی کے فن میں بھی مہارت رکھتے تھے، بے تکلف اور بے ساختہ منظوم کلام میں تاریخی مادے رقم کرنا کتنا مشکل ہے، اس کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو تاریخ گوئی کی باریکیوں سے واقف ہے، اردو اور عربی جملوں میں تاریخ نکالنا ہی بہت مشکل کام ہے؛ چہ جائے کہ طویل نظم کے ہر مصرع میں تاریخ ذکر ہو اور وہ بھی عربی زبان میں، ایک عجمی کے لیے کتنا مشکل ہے؟ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ (تذکرۃ الرشید ۲/۳۳۴، ۳۳۵)۔

وفات کی تفصیل کے لیے مستقل تصنیف

حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے مرض وفات اور وفات کی تفصیل ''واسوخت'' کے انداز میں لکھی اس مضمون کو بہت پسند کیا گیا اس کا عنوان تھا ''وصل الحبیب'' جب چھپا تو احباب، بزرگوں اور دوستوں نے مستقل سوانح لکھنے کی فرمائش کی، اس طرح تذکرۃ الرشید کی پہلی پھر دوسری جلد وجود میں آئی۔

وصل الحبیب مع وصیت نامہ وقصیدۂ مدحیہ

(حالات حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ)

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے سولہ صفحے میں ایک مضمون لکھا اور اپنے مکتبے ''خیر المطابع میرٹھ'' سے شائع کیا، جو نسخہ میرے سامنے ہے یہ ۱۳۲۳ھ=۱۹۰۵ء میں شائع ہوا ہے اور یہ سرورق سے محروم ہے، دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے میں موجود ہے۔

''وصل الحبیب'' (دوست کی ملاقات) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد لکھی گئی تحریر ہے، اس میں حضرت کی پوری سوانح نہیں ہے، اس میں صرف وفات کے وقت کے احوال پر مبنی گوشے کو سپرد قلم کیا گیا ہے، اس ضمن میں حضرت کے کمالات اور اوصاف حمیدہ بھی بیان ہوئے ہیں، مرض الموت سے وفات اور تدفین تک کی تفصیل جس طرح اس کتابچہ میں بیان ہوئی ہے کسی اور مضمون یا کتاب میں بیان نہیں ہوئی ہے۔

اندازِ بیان والہانہ، محبتوں سے لبریز ہے، الفاظ کی فراوانی، تعبیرات کی ندرت، استعارہ اور تشبیہ کی کثرت جس وافر مقدار میں حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم میں ملتی ہے ان کے کسی اور معاصر کی نگارشات میں نہ مل سکی؛ غرض یہ کہ موصوف کی نگارشات جمالیاتی عناصر سے لبریز ہیں۔

''مرض الموت'' کی مدت چھبیس ستائیس دنوں پر مشتمل ہے، بارہ یا تیرہ جُمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ سے آٹھ یا نو جُمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ تک مسلسل طبیعت خراب رہی؛ لیکن اس درمیان معمولات بہتر طور پر انجام دے لیتے تھے۔

اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ بائیں پیر کی دونوں چھوٹی انگلیوں میں ناخن کے نیچے کسی زہریلے جانور نے کاٹ لیا، کسی کو معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کیا تھا، سانپ تھا یا چوہا؛ خود حضرت کو بھی پتہ نہ چلا مصلے پر بیٹھے ہوئے تھے، نماز کے لیے اٹھے تو کسی خادم نے دیکھا، کرتا بدلوایا، مصلیٰ بھیگ چکا تھا، اگلے دن غنودگی طاری ہوئی، ضعف بڑھتا چلا گیا، اس درمیان صرف نماز کے لیے اٹھتے اور نماز پڑھ کر سو جاتے تھے، زہر کا اثر انگلیوں سے ران تک پہنچ گیا، حضرت خود حکیم تھے، صاحب زادہ حکیم تھے، ان کے علاوہ دوسرے حکیموں نے بھی علاج کیا؛ مگر وقتِ موعود آ گیا تھا، شفا نہ ہوئی، بالآخر ۸ یا ۹ر جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱ر اگست ۱۹۰۵ء بعد اذانِ جمعہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ (ص ۱۲) وفات کے وقت اٹھتر سال کی عمر تھی، إنا للّٰه و إنا إليه راجعون.

وفات کے وقت خوشبو

حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے وقت وہاں تیز خوشبو اٹھی جس کو سب نے محسوس کیا، معتقدین تو خاموش تھے، اتفاق سے حضرت کا ایک مخالف اس وقت پہنچا ہوا تھا، اس نے خوشبو سونگھنے کے بعد اپنی بدظنی دور کر لی، اس کے اظہار کے بعد ہی مولانا عاشق الٰہی صاحب نے بھی اس کو بیان کیا۔ اس سے پہلے اس لیے بیان نہ کر رہے تھے کہ کہیں کوئی اندھی عقیدت کی تہمت نہ لگائے۔

انداز بیان

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کا قلم سیال، رواں دواں تعبیرات کا خزانہ تھا، جمالیاتی عناصر سے بھرپور تحریر میں قارئین کے لیے دلچسپی کا سارا سامان موجود ہوتا ہے۔ اندازِ بیان میں حسن

آرائی سے سادی سی بات بھی حسین معلوم ہونے لگتی ہے، یہ خوبی مولانا کی تحریر میں ہر جگہ نمایاں ہے۔

منظر نگاری

منظر نگاری میں مولانا میرٹھیؒ اپنے معاصرین میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں، ذیل میں اس کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) وفات کے وقت

''وصال کے وقت یعنی روح پرواز کرتے ہی جنوری شعاعیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر پڑ رہی تھیں، وہ میں نے کبھی حیات میں بھی نہیں دیکھیں؛ حالاں کہ بارہا زندگی میں زیارت کا اتفاق ہوا؛ مگر بخدائے لایزال وہ ملاحت وحسن اور وہ رخساروں کی سُرخی وچمک جو بعد وصال اُس مکھڑے پر نظر آئی؛ عمر بھی بھی نظر نہیں آئی، باوجود اس شدت مرض اور کرب وتکلیف کے جو ضعیف ومُسن (عمر دراز) شخص کو کیا معنی؛ زبردست سے زبردست جوان کے سُرخ وسپید چہرہ کو جھلسا دینے اور منھ پر ہوائیاں اڑانے اور جُھرّیاں ڈالنے کو کافی تھی، خصوصاً روح نکلنے کے بعد.... حضرت (مولانا رشید احمد گنگوہی) رحمۃ اللہ علیہ کا جسم گویا وہ جسم ہی نہ تھا جو زندگی میں تھا، ایک جنتی گوری رنگت والی حور تھی جو خانقاہ کی سہ دری میں نہا دھو کر پلنگ پر آلیٹی تھی۔'' (وصل الحبیب ص ۱۰)۔

(۲) جمعہ کی نماز میں حضرت گنگوہیؒ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نمازیں خود پڑھاتے تھے، وقتیہ بھی اور جمعہ بھی؛ وفات سے پہلے والا جمعہ آپ نے پڑھایا تھا؛ لیکن اگلے جمعہ کو وفات عین جمعہ سے پہلے ہوگئی، اس جمعہ کی منظر نگاری مولانا میرٹھی نے کیا ہی خوب کی ہے:

''صاحبو! ذرا غور کرو، پروانہ وار عاشقوں کی طبیعتوں کا اس وقت کیا حال ہوگا؟ جن کی نگاہوں کے سامنے سات دن قبل کے جمعہ کا یہ نقشہ جما ہوا تھا کہ اب جُبّہ پہنے عصا ہاتھ میں لیے سبز عمامہ باندھے اور کھڑاؤں پاؤں میں پہنے ہوئے حضرت (مولانا رشید احمد گنگوہی) رحمۃ اللہ علیہ تشریف لاتے اور ممبر پر کھڑے ہوکر خطبہ سناتے ہیں، آہ! یہ آٹھ دن کے اندر کیا ہوگیا؟ اس وقت وہ مقدس شیخ جس کے پیچھے ایک جمعہ کی نماز کا پڑھ لینا خدام کی حاضری کا مقصد اعلیٰ سمجھا جاتا تھا، عین خطبہ ونماز کے وقت سہ دری میں چادر اوڑھے قبلہ کی جانب منھ کیے، چت لیٹے میٹھی نیند پڑے سوتے ہیں، غلام منتظر ہیں؛ مگر انتظار بے سود''... الخ (وصل الحبیب ص ۱۲)

(۳) استعاراتی منظر نگاری

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ میں اللہ رب العالمین نے بے شمار خصوصیتیں ودیعت کر رکھی تھیں، سلوک واحسان، علمِ حدیث وفقہ اور ردّ بدعات وغیرہ میں آپ بے نظیر تھے، مولانا میرٹھی نے ان

اوصاف کی استعاراتی منظر نگاری کی ہے اہلِ ادب اس میں ''واسوخت'' کو بھی دیکھ سکتے ہیں:

''آفتاب علم وہدایت چھپ گیا، مہتاب ورع وامانت غروب ہوگیا، اس زمانہ کے بخاری ومسلم اوراس وقت کے بیہقی وحاکم نے انتقال کیا، جنید وقت، شبلی زماں، بایزید عصر، حافی دوراں کوچ فرما گئے، باغِ علم کیوں نہ سوکھ جائے اس کا چشمۂ رواں زمین میں اُتر گیا۔'' (وصل الحبیب ص۱۲)۔

(۲) وصیت نامہ

وصل الحبیب میں ''وصیت نامہ'' بھی شاملِ اشاعت ہے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے دو صفحے میں بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ وصیت تحریر فرمائی ہے، اپنے پس ماندگان کو بدعت سے بچنے اور سنت پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی ہے، اپنے ذمہ کسی کے قرض نہ ہونے کی وضاحت بھی ہے اور گھر کے سارے سامان کی تفصیلات کہ وہ کن کے ہیں؟ ترکہ ہیں یا نہیں؟ اسی طرح ساری جائیداد کی الگ الگ وضاحت درج ہے کہ کون کس کی ہے؟ اور کس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ حضرت کا یہ وصیت نامہ امت کے لیے نمونہ ہے، ہر آدمی کو اپنا نامۂ اعمال اسی طرح صاف کر کے جانا چاہیے!

(۳) قصیدہ مدحیہ (عربی)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ایک خادم شاگرد نے حضرت کی منقبت میں اکاسی اشعار کہے ہیں، یہ اشعار نہایت ہی برجستہ اور بلیغ ہیں، شکوہِ الفاظ اور ندرتِ تعبیر میں عربی شخصیت کی زبان معلوم ہوتی ہے، اس میں ''قصیدہ'' کے سارے عناصر ترکیبی موجود ہیں، ''تشبیب یا نسیب'' کی ملاحت، ''گریز'' کی لطافت متاثر کن ہے، ''مدعا'' بھی بڑے اچھے انداز میں پیش کیا گیا ہے، اخیر میں ''دعا'' پر قصیدہ ختم ہوتا ہے، اگر اس قصیدے کو عرب شعراء کے قصیدوں میں رکھ دیا جائے تو فرق کرنا مشکل ہوگا کہ یہ کسی عجمی کا کہا ہوا قصیدہ ہے، یا عربی کا؟ یہ تأثر خود حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہر فرمایا ہے، موصوف نے اس قصیدے کو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ ''وصل الحبیب'' کا حصہ بنایا ہے، اس میں مشکل الفاظ کے معانی اور کہیں کہیں اعراب اور ترکیب کی وضاحت بھی فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے! اور اجازت دیجیے!

* * *

نئی کتابیں

(۱)

نام کتاب : کاروانِ اہلِ حق
مصنف : مفتی محمد ریاست علی قاسمی رام پوری
مفتی واستاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ
ناشر : مکتبہ العافیہ امروہہ (یوپی)
سن اشاعت : ۱۴۴۵ھ/۲۰۲۳م
صفحات : ۶۱۶ قیمت: ۸۰۰ روپے
تعارف نگار : ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند

==========

اردو ادب کی اصطلاح میں ''خاکہ'' ایسے فن پارے کو کہا جاتا ہے، جس کے آئینے میں شخصیت کا سراپا جھلکتا ہے، اس میں ولادت سے وفات تک کے احوال ذکر کیے جاتے ہیں، جامع خاکہ وہ کہلاتا ہے جس میں شخصیت کے سارے پہلو پیش کیے جاتے ہیں، اصطلاحی اعتبار سے ''تذکرہ'' خاکہ سے مختصر ہوتا ہے، اس میں صرف نمایاں اوصاف وکمالات یا زندگی کے ایک یا چند پہلوؤں کا ذکر ہوتا ہے، یعنی اصطلاح میں ''خاکہ'' اور ''تذکرہ'' دونوں الگ حیثیت رکھتے ہیں دونوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، تذکرہ خاص ہے اور خاکہ عام، مولانا مفتی محمد ریاست علی قاسمی مدظلہ کی یہ کتاب باسٹھ شخصیات کے خاکوں کا مجموعہ ہے، ان میں کچھ عبقری شخصیات ہیں تو کچھ غیر عبقری؛ کچھ اساتذہ ہیں اور کچھ غیر اساتذہ، کچھ مشہور ہیں اور کچھ غیر معروف، کچھ کا انتقال قریب زمانے میں ہوا ہے اور کچھ کا بعید زمانے میں۔ ان سب کے نام ونسب، ولادت، وفات، تصانیف، کارنامے، علمی، سیاسی اور سماجی خدمات، خاندان ومعاشرت، اوصاف وکمالات، امتیازات اور نمایاں خصوصیات کو انھوں نے ذکر کیا ہے، ہر شخصیت کی خاکہ نگاری سے پہلے ایک ''تمہید'' لکھتے ہیں جس میں شخصیت کی

جامعیت کا ذکر کرتے ہیں؛ تاکہ قارئین کو پڑھنے کی دلچسپی بڑھے، اکثر خاکے جامع ہیں، ان میں شخصیات کے نمایاں اوصاف کا احاطہ کیا گیا ہے۔ موصوف کو خاکہ نگاری کا خاص ذوق حاصل ہے، یہ ذوق بزرگوں کی صحبت اور تراجم وتذکرے اور سوانحی تصانیف پڑھنے کے بعد پیدا ہوا ہے، جس کی صراحت انھوں نے کی ہے، شروع میں ''اجمالی فہرست'' ہے؛ تاکہ انتخاب میں قاری کو سہولت ہو، پھر ''تفصیلی فہرست'' ہے جس میں خاکہ کے سارے اجزاء اور ذیلی عناوین کی وضاحت وتعیین ہے۔ یہ خاکے ''ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند''، ''ندائے شاہی''، ''آئینۂ دارالعلوم دیوبند''، ''ارمغان حرم'' امروہہ، ''المؤمنات'' لکھنؤ، ''الجمعیۃ'' دہلی، ''الہلال'' مانچسٹر، ''المحمود'' میرٹھ اور ''الفرقان'' لکھنؤ وغیرہ میں چھپے ہوئے ہیں۔

ان سب کو افادۂ عام کے لیے موصوف نے مرتب فرمایا ہے، ٹائٹل، کاغذ اور طباعت نہایت عمدہ اور جاذبِ نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی محنت کو قبولیت سے نوازیں!

❊ ❊ ❊

(۲)

نام کتاب : اصحابِ صفہ اور ان کی حیات وخدمات
تالیف : مفتی محمد اشرف علی عاشق الٰہی قاسمی
شیخ الحدیث مدرسۃ العلوم حسین بخش، دہلی
صفحات : ۵۱۳ قیمت: (درج نہیں)
اشاعت اوّل: ۱۴۴۵ھ=۲۰۲۳م
ناشر : مکتبہ اسلامیہ اشرفیہ، گنج میر خان، شیش محل، دہلی-۲
ملنے کا پتہ : مؤلف: 9350364861
تعارف نگار : ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند

==========

''اصحاب صفہ'' فرشتہ صفت اولین طلبۂ علم دین کا لقب ہے، جن کی شبانہ روز کی جانفشانی سے آج اسلام کی صحیح شکل وصورت باقی ہے، فقر وفاقہ کے ساتھ حدیث نبوی اور شریعت اسلامی میں لگے رہنے کی ریت انھیں کی ڈالی ہوئی ہے، شمعِ نبوی پر پروانوں کی طرح جھومنا انھیں کی سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینۂ سراپا کو سامنے رکھ کر انھوں نے اپنے زلف سنوارے تھے؛ آج اسی کی

زیبائی چہار دانگ عالم میں رونق بنی ہوئی ہے۔ اصحابِ صفہ کی صفات پر فرشتے بھی رشک کناں تھے، پیغمبر آخرالزماں کی ضیاپاش کہکشاں سے روشنی حاصل کر کے یہ خود انجم رہبر بن گئے تھے، اسلامی زندگی کے اصلی نقوش انھیں کی زندگی میں ملتی ہیں، ان صحابۂ کرامؓ سے جو دور ہے وہ حق سے دور ہے اور جو قریب ہے وہ حق سے قریب ہے، یہی معیارِ حق وصداقت ہیں؛ لیکن افسوس کہ ہم ان کی زندگیوں کے نشیب وفراز سے واقف نہیں، اگر جانتے ہیں تو بس نام اور دو چار کارنامے جن کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے؛ حالاں کہ صحابۂ کرامؓ کی حیاتِ طیبہ میں سب کچھ ہے جو صراطِ مستقیم پر رہنے کے لیے کافی ہے۔

کتاب ''اصحابہ صفہ'' میں سب سے پہلے ''صفہ'' کی تحقیق وتعیین کی گئی ہے، پھر پنچانوے (۹۵) اصحاب کی زندگی کا خاکہ پیش کیا گیا ہے، اس میں ان کا سراپا، ان کا نسب، ان کی ولادت وفات، تعلیم وتربیت، شوق علم اور طریقۂ درس وتدریس، خوف خدا اور احسان وسلوک کے مظاہر، بہادری، مہمان نوازی، جنگی کارنامے، فقہی مقام، علمی وعملی کمالات اور دیگر اوصاف حمیدہ کو جمع کیا گیا ہے، جو ہر مسلمان کے لیے مشعلِ راہ اور سنگِ میل ہے۔

صفہ اور اصحابِ صفہ کے امتیازات بیان ہوے ہیں، طریقۂ تعلیم اور نظام تربیت کو نقل کیا گیا ہے، صفہ میں رہنے والے لوگوں کے کھانے پینے کے نظام کو بھی لکھا گیا ہے۔ مدارسِ اسلامیہ کے لیے نمونہ یہی ''صفہ'' ہے، انھیں کو دیکھ کر مدارس کا چلانا قیامت تک کامیاب رہے گا اور بگڑے ہوئے نظام کو اسی کو دیکھ کر درست کیا جاتا رہے گا۔

برادرم مفتی محمد اشرف قاسمی کی کتاب اپنے موضوع پر منفرد ہے، اس موضوع پر جو کتابیں بھی ملتی ہیں وہ اتنی مفصّل نہیں ہیں، ساری باتیں تراجم اور رجال کی قابلِ اعتماد کتابوں کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے۔ کوئی بات بلاحوالہ نہیں ہے، جامعیت اس کا خاص وصف ہے، ممتاز اصحاب صفہ پر مفصل لکھا گیا ہے، مثلاً حضرت ابوہریرہ، حضرت واثلہ بن اسقع اور حضرت معاویہ بن الحکم وغیرہ۔ بعض کے احوال اس لیے مختصر ہیں کہ ان کے احوال اتنے ہی مل سکے اور اس لیے بھی کہ موصوف نے قابل درس پہلو پر نگاہ مرکوز رکھی ہے۔ اس پر چار اساتذۂ دارالعلوم دیوبند نے تقریظ وتقدیم تحریر فرمائی ہے جو اس تصنیف کے قابلِ اعتماد ہونے کی علامت ہے۔

غرض یہ کہ کتاب تحقیقی مواد سے لبریز ہے، مؤلف نے بڑی عرق ریزی کی ہے اور حب صحابہ میں ڈوب کر لکھا ہے، اللہ تعالیٰ اصحاب صفہ کے ساتھ ان کا اور ہمارا حشر فرمائیں اور ان سب لوگوں کا بھی جن کا کسی طرح کا حصہ اس میں ہے۔ **وما ذلك على الله بعزيز!**

(۳)

نام کتاب : دلائل السنن والآثار
تالیف : حضرت مولانا نجم الدین اصلاحیؒ
ملاحظہ : شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ وشیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ
تخریج وتحقیق : مولانا عبدالحنان عمران اعظمی قاسمی زید مجدہٗ
صفحات : ۲۵۳ قیمت: (درج نہیں)
ناشر : الجمعیۃ بک ڈپو، گلی قاسم جان، دہلی-۶
تعارف نگار : ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند

==========

دین وشریعت کے ثبوت کے دلائل قرآن وسنت میں بیان ہوے ہیں، تیسرے نمبر پر اجماعِ امت ہے جس سے بھی احکام کا ثبوت ہوتا ہے اور قیاس ذریعۂ استنباط ہے۔ گمراہ فرقوں نے کہیں قیاس اور اجماع کا انکار کیا تو وہ ''غیر مقلد'' کہلائے، ان کا اصل نام ''منکرِ فقہ'' ہے؛ چاہے وہ خوش ہونے کے لیے اپنا نام ''اہل حدیث'' رکھ لیں اور بعض فرقوں نے آگے بڑھ کر حدیث وسنت کا انکار کیا تو وہ ''منکر حدیث'' کہلائے؛ لیکن انھوں نے اپنا نام ''اہلِ قرآن'' رکھ لیا۔ فتنۂ انکار حدیث امام احمد بن حنبلؒ کے زمانے سے شروع ہوا اور آج تک موجود ہے، اس موضوع پر عربی میں بھی کتابیں لکھی گئیں اور اردو میں بھی، اردو میں مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے ''حجیت حدیث''، مولانا بدر عالمؒ نے ''ترجمان السنہ'' اور محدث عصر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے ''نصرۃ الحدیث'' لکھی۔ حضرت مولانا نجم الدین اصلاحیؒ نے بھی قلم اٹھایا اور ''دلائل السنن والآثار'' پر سلسلہ وار مضمون لکھنا شروع فرمایا جو ۱۳۵۷ھ میں ''رسالہ ترجمان القرآن'' میں دس قسطوں میں شائع ہوا، بعد میں کتابی شکل میں مکتبہ دینیہ دیوبند سے شائع ہوا، استناد کے لیے حضرت شیخ الاسلام اور شیخ الحدیث رحمہما اللہ کا از اوّل تا آخر ملاحظہ کرنا ہی کافی تھا، اہل علم نے پسند کیا؛ موصوف کا قلم تحقیق رقم ہے اسی کے ساتھ دعوتی نقطۂ نظر سے بھی مفید ہے کہ انھوں نے قاری کو ٹھنڈے دل سے غور وفکر کی دعوت دی ہے (ص ۲۴۴) آیات قرآنیہ سے احادیث کس طرح مستنبط ہیں؟ احادیث کے سلسلے میں صحابۂ کرامؓ کا طرز عمل اور اشاعتِ روایات میں صحابہ وتابعین کے مایہ ناز کارناموں کا ذکر کرنے کے بعد عدالتِ صحابہ پر گفتگو کی ہے اور حق وصداقت کے لیے صحابۂ کرامؓ کے معیار ہونے کی بحث ایسی کی ہے کہ مودودیت کی عمارت مسمار ہوکر رہ گئی ہے، یہاں حضرت مدنی کا

رنگ غالب ہے۔ جن کے شاگرد رشید ہونے کا شرف مصنف کو حاصل ہے۔ تدوین حدیث اور کتابت حدیث پر بھی خوب کلام کیا ہے، تاریخ اور حدیث میں فرق کو واضح کیا ہے، اصولِ حدیث کی اصطلاحات کے ساتھ جرح وتعدیل کی اصولی گفتگو بھی خوب فرمائی ہے، سنت اور اثر کی بحث میں محدثین اور فقہاء کی اصطلاحات کا فرق بھی بتایا ہے؛ سنت کو کہیں بدعت کے مقابل استعمال کیا گیا ہے؛ وہاں حدیث اور سنت میں تساوی کی نسبت ہے اور اہل حدیث کے نزدیک حدیث اور سنت دونوں مترادف ہیں، اگر سنت کو طریقۂ مسلوکہ محمودہ کے لیے بولا جائے تو سنت اور حدیث میں عموم خصوص من وجہ کی نسب ہوگی اور اگر سنت کو فقہاء کی اصطلاح کے مطابق واجب کے بعد اور نفل سے پہلے کا درجہ دیا جائے تو حدیث اور سنت میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوگی۔ مصنف نے تدلیس کے سیاسی اسباب بھی بیان فرمائے ہیں اور اس میں مثال دی ہے کہ حضرت حسن بصری بنوامیہ کے ڈر سے حضرت علیؓ کا نام نہیں لیتے تھے؛ اس لیے ان کی مرسل روایت صحاح کے حکم میں مانی جاتی ہے (ص ۲۰۵)

مولانا نجم الدین اصلاحی کا تعلق مولانا مودودی سے بھی تھا؛ مگر انھوں نے مودودیت سے برأت کا برملا اظہار فرمایا اور اس کے لیے تینتیس (۳۳) صفحے کا کتابچہ لکھا ''مودودیت اپنی تحریرات کے آئینے میں''، اور ''اصل قول فیصل'' کے نام سے پینتالیس علماء کرام کے دستخط سے ایک مدلل تحریر شائع کی جس میں سب نے صراحت کی کہ مودودی ضال اور مُضِل ہے۔

صاحب تخریج وتحقیق جناب مولانا عبدالحنان قاسمی نے کتاب کی غلطیوں کی اصلاح کی ہے اور مندرجات کو اصل مآخذ سے ملایا ہے، اس کے لیے عربی عبارتیں اور حوالہ جات کو حاشیہ میں لکھا ہے اور مصنف کی جن باتوں سے جمہور کو اتفاق نہیں ہے ان کو موصوف نے واضح کرکے قابلِ اعتماد کتابوں سے نقل کیا ہے، مثلاً مصنف نے حدیث حسن کے ناقابلِ استدلال ہونے میں ابن تیمیہؒ کے موقف کی تائید کی ہے اور صحتِ حدیث کے لیے امر حسی کو ضروری قرار دیا ہے، محض ثبوت کو کافی نہیں سمجھا ہے ان دونوں موقف سے محقق نے اختلاف کیا ہے۔ تحقیق کی محنت قابل داد ہے کہ انھوں نے تحقیق کا حق ادا کردیا ہے۔ اب یہ کتاب دیدہ زیب ٹائٹل اور عمدہ کاغذ پر طبع ہوکر قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازیں!

❊ ❊ ❊